Postal Regd.No.LW/NP/63/2003to2005

Fortnightly

Tameer-e-Hayat

Nadwatul Ulama, Lucknow-226007

R.N.I. No-UP.URD/2001/6071

September, 2003

Vol. 2, Issue No. 12

سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر دو نئی تصنیفات

عربی زبان میں
فی ظلال السیرۃ از: مولانا محمد رابع حسنی ندوی
ناشر: مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ

تاریخ تدوین سیرۃ النبیؐ از: مولانا عبداللہ عباس ندوی
ناشر: دارالعلوم سبیل السلام مدینۃ العلم، حیدرآباد

M M S
Since 1960
2255857
2248608(R)
M.MATEEN & SONS
(DHAGEY WALEY)
Deales In:
Staple & Cotton Fast Dyed Embroidry Yarn,
Cotton Waste Yean & Gaurenteed Fast Dyers
28/1, Gali Parcha, Chowk, LUCKNOW-226003

Ph. Nos 2260433- 2242946
جدید ودلکش سونے چاندی کے زیورات کے لئے
ہمارے شوروم میں
آپ کا خیر مقدم ہے
گہنہ پیلیس
Gahna Palace
حاجی عبدالرؤف خاں، حاجی محمد فہیم خاں محمد معروف خاں
ایک مینارہ مسجد کے سامنے اکبری گیٹ چوک لکھنؤ

Shop: 2260890
Resi: 2269562
MOHD.IRFAN
PROPRIETOR
NEW KAREEM JEWELLERS
نیو کریم جویلرس
دوکان نمبر ابلد مارکیٹ ایک مینارہ مسجد کے سامنے اکبری گیٹ لکھنؤ

Resi: 2268177
Mob: 95415002532
31266122
سونے اور چاندی کی دنیا میں ۷۵ رسالہ دیرینہ نام
Shop 2213736
2500667
حاجی صفی اللہ جویلرس
ہمارا نیا شوروم
گڑبڑ جھالہ کے سامنے آمین آباد، لکھنؤ
پروپرائٹر: محمد اسلم
HAJI SAFIULLAH
Jewellers
Opp: Gadbad Jhala, Aminabad, Lucknow-18

چشمہ ساگر
ہمارے یہاں کمپیوٹر کے ذریعہ آنکھوں کی جانچ کی جاتی ہے۔
AUTO REFRECTO METER AR-860
ایک بار خدمت کا موقع دیں
آپٹیشین اے۔ رحمٰن (علیگ)
شکر جی کی مورتی کے نزدیک، معتبر گنج، اعظم گڑھ

Editor Shamsul Haq Nadwi Office Ph 2787250 (Ext.) 18, Guest house 2740151 Fax 91-522-2787310, 2786376
Printed & Published By Athar Husain on behalf of Nadwatul Ulama at Parekh Offset Printing Press, Tagore Marg, Lucknow-20 Ph 2720960

لکھنؤ

تعمیر حیات

پندرہ روزہ

۱۰/اکتوبر ۲۰۰۳ء

جن کے لئے جنت کی ضمانت دی گئی ہے

''اور اپنے رب کی مغفرت کی طرف لپکو اور ایسی جنت کی طرف جس کا عرض سارے آسمان اور زمین ہیں، وہ متقین کے لئے تیار کی گئی ہے جو فراخی وتنگی دونوں حالتوں میں (راہِ خدا میں) خرچ کرتے ہیں اور غصہ کو پی جانے والے اور لوگوں کے ساتھ عفو ودرگزر کا معاملہ کرنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ اچھا کام کرنے والوں کو پسند کرتا ہے (اس کے علاوہ ان کی صفت یہ بھی ہے کہ) جب ان سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے یا وہ اپنے اوپر کسی طرح کا ظلم کر بیٹھیں تو وہ اللہ کو یاد کرتے ہیں اور اپنے گناہوں کی معافی چاہتے ہیں اور اللہ کے علاوہ کون ہے جو گناہ معاف کر سکے اور یہ لوگ اپنے گناہوں پر جانتے بوجھتے اصرار نہیں کرتے یہی وہ لوگ ہیں جن کا بدلہ ان کے رب کی طرف سے بخشش ہے اور ایسے باغات ہیں جن کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی وہ اس میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے اور (ایسے) نیک اعمال کرنے والوں کا کتنا بہترین بدلہ ہے''۔ (سورہ آل عمران ۱۳۳-۱۳۶)

71/-

تعمیر حیات لکھنؤ

پندرہ روزہ اشاعت کے ۲۰ ویں سال

جلد نمبر ۲۰ | ۱۰ اکتوبر ۲۰۰۳ء مطابق ۱۴ شعبان المعظم ۱۴۲۴ھ | شمارہ نمبر ۱۳

زیر سرپرستی:

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

(ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

نگران خصوصی:

حضرت مولانا عبداللہ عباس ندوی

(معتمد تعلیم، ندوۃ العلماء لکھنؤ)

پروفیسر وصی احمد صدیقی

(معتمد مال، ندوۃ العلماء لکھنؤ)

مدیر عام: مولانا شمس الحق ندوی

رئیس التحریر: امین الدین شجاع الدین

معاون: ڈاکٹر ہارون رشید صدیقی

معاون: محمود حسن حسنی ندوی

مجلس مشاورت

• مولانا نذر الحفیظ ندوی • مولانا عبداللہ حسنی ندوی

• مولانا محمد خالد ندوی غازیپوری

زر تعاون

سالانہ -/۱۵۰ ——— فی شمارہ -/۷

ایشیائی، یورپی، افریقی وامریکی ممالک -/۳۵ ڈالر

• ڈرافٹ منیجر تعمیر حیات لکھنؤ کے نام سے بنائیں۔

ترسیل زر اور خط وکتابت کا پتہ

Tameer-e-Hayaat

Post Box No. 93, Nadwatul Ulama Lucknow-226007

فون (دفتر) 18 2787250 (Ext) مہمان خانہ 2740151 (0522)

Website : www.nadwatululama.org

e-mail : Nadwa@sancharnet.in

thetameer-e-hayat@nadwatululama.org

مضامین ومندرجات سے متعلق سارے امور میں رئیس التحریر سے خط وکتابت کی جائے اور انتظامی امور میں مدیر عام سے رجوع کریں۔

پرنٹر پبلشر اطہر حسین نے پاریکھ آفسیٹ پرنٹنگ پریس، نگلور مارگ لکھنؤ میں طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت ونشریات ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع کیا۔

دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ اس شمارہ کے ساتھ آپ کا زر تعاون ختم ہو چکا ہے، از راہ کرم "نہ زر تعاون ۱۵۰ روپے ارسال فرما کر ممنون کریں۔

اس شمارے میں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

- ماہ رمضان کا استقبال ۲

اداریہ

- جہاد کے صحیح مفہوم ومعنی کو سمجھنے کی ضرورت ۳

افادات ابوالحسن علی ندویؒ

- رمضان کی کہانی خود اس کی زبانی ۵
- فریضہ رمضان کی حکمتیں ۷
- زکوٰۃ ۹

مضامین ومقالات

- مولانا علی میاںؒ کا فکری وعملی منہج ۱۰
- تقویٰ کی حقیقت ۱۱
- مولانا الیاس صاحبؒ کے ساتھ ایک مبارک سفر ۱۳
- ماحول کا اثر ۲۱

مستقل کالمز

- کنیت اور لقب ۲۵
- سوال وجواب ۲۶

اخبار وافکار

- دینی تعلیمی کونسل کی ایک میٹنگ ۱۵
- معہد الفردوس الرحمانی کے سالانہ اجلاس میں حضرت ناظم ندوۃ العلماء کا خطاب ۱۶
- فضیلت ثانی کے طلباء کو الوداعیہ ۱۸
- الاصلاح میگزین - ایک تعارف، ایک تاثر ۱۷

تاثرات ومشاہدات (روداد سفر)

- شمالی گجرات میں چند دن ۲۳
- قزاقستان کا ایک سفر ۲۸

شعر وادب

- اے میرے ماہ وسال ۱۹

اہل خیر حضرات سے

- فہرست سفراء دار العلوم ۲۷
- آخری صفحہ : ضمیر کی عدالت ۳۲

نور بصیرت

بہشت وہ مقام ہے جو.....

خدا کی رحمت کب نہیں؟ اور کہاں نہیں؟ مگر دنیا کے فطری قوانین کے بموجب اس دنیا میں ایسے واقعات اور حادثے بھی پیش آجاتے ہیں جن کو ہم رحمت کے بجائے قہر الٰہی سے تعبیر کرتے ہیں، پھر یہ بھی واقعہ ہے کہ خود ہم کو ہمارے اعمال کی بدولت خداوند تعالیٰ کے قہر وغضب میں مبتلا ہونا پڑتا ہے لیکن ایک عالم وہ ہے جہاں اس کی رحمت کے سوا غضب کا نام ونشان نہ ہوگا، وہاں ہر طرف اس کی رحمت اور فیض وکرم کی بارش ہوگی، اور اس کی رحمت کے سوا وہاں کوئی اور منظر کبھی دکھائی نہ دے گا۔

﴿يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ﴾ (توبہ-۲۱)

ان کا پروردگار ان کو اپنی رحمت وخوشنودی اور ان باغوں کی خوشخبری دیتا ہے جن میں ان کے لئے ہمیشہ کا آرام ہے۔

اہل جنت کو جن کے چہرے خوشی سے دمکتے ہوں گے یہ آواز سنائی دے گی۔

﴿وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ هُمْ فِيْهَا خَالِدُوْنَ﴾ (آل عمران-۱۰۶)

لیکن جن کے چہرے روشن ہوئے تو اللہ کی رحمت میں ہوں گے، اس میں وہ سدا رہیں گے۔

موجودہ دنیا کی ہر چیز آلودگیوں اور نجاستوں سے بھری ہے لیکن بہشت وہ مقام ہے جو پاکی، ستھرائی، لطافت اور طہارت کا مظہر ہے، اس میں وہی داخل ہوں گے جو گناہوں سے پاک ہو چکے ہوں۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ

(از سیرۃ النبیؐ ج-۴ ص-۸۴۵)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماہِ رمضان کا استقبال

امین الدین شجاع الدین

شعبان کا مہینہ پورا ہوا چاہتا ہے اور نیکیوں کے موسم بہار رمضان المبارک کی آمد آمد ہے ـــــ مبارک کہ رحمت و مغفرت اور جہنم سے خلاصی اور نجات حاصل کر لینے کا مہینہ ہم پر سایہ فگن ہونے جا رہا ہے۔ یہ وہ مبارک موقع ہے کہ جس کے لئے ہم اللہ کے شکر گزار بھی ہوں اور اس سے توفیق بھی طلب کریں کہ ماہ رمضان کی عظیم نعمت کی ہمیں قدر نصیب ہو نیز یہ مہینہ ہمیں اپنی برکتوں سے مالا مال کر کے جائے اور خدانخواستہ ہم اس کی نعمتوں سے محروم و تہی دامن نہ رہیں۔ اس مہینہ کو اگر ہم نے راضی کر لیا تو امید ہے کہ ماں سے ستر درجہ زیادہ شفیق و مہربان اور کریم آقا بھی ہم سے راضی ہو جائے گا، خدا کی رحمت کے برسنے اور للنے کا زمانہ آ گیا، اب یہ ہماری دل کی کھیتیوں پر موقوف ہے کہ وہ زرخیز ہیں یا خدانخواستہ بنجر ـــــ گلشن گلشن پھول کھلے ہوں گے، اور یہ ہم پر منحصر ہوگا کہ ہم اپنے دامنِ مراد کو کتنا بھرتے اور سعادتوں اور برکتوں سے بہرہ مند ہوتے ہیں۔

اس داتا کی بھی عجب اور نرالی شان ہے کہ وہ مانگنے سے خوش ہوتا اور نہ مانگنے سے ناراض ہوتا ہے۔ اپنے بندہ سے شہ رگ سے زیادہ قریب، سمیع و مجیب اور ٹوٹے دلوں کے پاس رہنے والا وہ کریم رب تو ہر لمحہ اور ہر ساعت سب کی سنتا اور مانگنے والوں کو عطا کرتا ہے مگر اس مہینہ میں اس کی رحمت جوش میں ہوتی ہے ـــــ اگر خدانخواستہ ہم ہی ہوش میں نہ ہوں اور غفلت سے مدہوش ہوں تو اسے بدبختی کے سوا اور کیا کہا جائے گا ـــــ بس ذرا تھوڑی دیر کے لئے تصور کر لیجئے اپنے ان اعزہ و اقربا اور اپنے ان دوست و احباب کا جو گزشتہ رمضان میں ہمارے ساتھ تھے اور اللہ کی اس زمین پر ہماری طرح چل پھر رہے تھے، زندگی جی رہے تھے لیکن آج وہ ہمارے درمیان نہیں ہیں۔ اس تصور سے اگر ہماری آنکھیں نم ہو جائیں اور دل غم سے بھر جائیں تو کوئی تعجب نہیں، ان کی یادیں، ان کی باتیں سب کچھ آپ کو یاد آ رہا ہوگا، ان جانے والوں اور اس دنیائے فانی سے رخصت ہو جانے والوں کا حق ہے کہ ہم ان کے لئے مغفرت کی دعا کریں ـــــ مگر اسی کے ساتھ بھاری دل کی کیفیات کے ساتھ کلیجہ پہ پتھر رکھ کر تھوڑی دیر کے لئے اس کا بھی تصور کر لیجئے کہ رمضان تو اگلے سال بھی آئے گا لیکن خود ہم ہوں گے بھی یا نہیں؟؟ ہم دعا کرنے والوں میں ہونگے یا ہمارے لئے دعائے مغفرت کی جا رہی ہوگی؟؟ ـــــ اپنے سے بچھڑ جانے والوں اور اس دنیا سے رخصت ہو جانے والوں کے لئے ہم آج مغفرت کی دعائیں مانگ رہے ہیں اس حال میں کہ آنکھیں چھلک رہی ہیں جانے والے جا چکے، اب وہ ہماری دعاؤں کے محتاج ہیں، ان کے لئے عمل کا موقع ختم ہو چکا لیکن نیک اعمال کے کر لینے کا یہ موقع اور اس کی مہلت ہمارے لئے تو باقی ہے! خدا کے لئے خود اپنی آخرت کی بھی فکر کر لیجئے اپنی عاقبت، اپنے انجام اور اپنی آخرت کی فکر کا بیج اگر آج دل کی کھیتی میں پڑ گیا تو اس کے برگ و بار لانے کے خوب خوب مواقع ہیں کہ رمضان کی فصل بہار ہوگی، رحمت و مغفرت کا ساغر چھلک رہا ہوگا، بلکہ رحمت و مغفرت کی گھٹائیں برس رہی ہوں گی، موقع بڑا غنیمت ہے کہ ہم گناہوں کی کثافتوں سے خود کو پاک و صاف کر لیں ـــــ اور اس سفید صاف و شفاف کپڑے کی طرح ڈھل جائیں جو ہر داغ سے آزاد اور ہر دھبہ سے پاک ہو جاتا ہے!! رحمت و مغفرت کے ابر کرم کے جھوم جھوم کے برسنے کا زمانہ آ گیا اور اپنی روح کی کثافتوں اور آلودگیوں کو دھونے اور منانے کا وقت آ گیا ـــــ دل کے زنگ کو دور کر لینے کا موسم ہے، کثرت سے تلاوت قرآن کی بدولت دل کا زنگ بھی دور ہوگا اور ماحول اس رنگ میں رنگ جائے گا جس کو ایمانی و روحانی اور نورانی ماحول کہتے ہیں۔ خدا کرے ہم اور ہماری زندگیاں بھی اس رنگ میں رنگ جائیں جو اللہ کا رنگ ہے۔

﴿صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۚ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ﴾ (بقرہ/۱۳۸)

"(کہو کہ ہم نے) خدا کا رنگ (اختیار کر لیا ہے) اور خدا سے بہتر رنگ کس کا ہو سکتا ہے؟ اور ہم اسی کی عبادت کرنے والے ہیں۔" □□□

اداریہ

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

جہاد کے صحیح مفہوم و معنی کو سمجھنے کی ضرورت

الحمدللہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین وخاتم النبین محمد وعلیٰ الہ وصحبہ أجمعین وبعد!

اس وقت دنیا میں خود غرضی، نفع اندوزی، ظلم و زیادتی کا عام چلن ہو گیا ہے، اچھے اچھے امن پسند اور انسانیت دوست عنوانات سے حق تلفی دھاندلی انسان کشی اور بربریت کی حرکتوں سے چھپایا جاتا ہے اور من مانی کی جاتی ہے، یہ طریقہ..... ناانصافی اور ظلم کا اور اپنے مالک و خالق کی نافرمانی کا طریقہ ہے ضرورت ہے ایسے حالات کو بدلنے کی اور انسانیت کو صحیح اور خیر پسندی کی راہ پر لانے کی بھرپور کوشش کی جائے اسلام میں اس کی تعلیم دی گئی ہے بلکہ اسلام کا اہم ترین مقصد ساری انسانیت کو اس راستہ پر لانا ہے، اور اس پر چلانا ہے، جو انسانیت کے صلاح و فلاح کا راستہ ہے، انسانیت کی اصل صلاح و فلاح کا تعلق آخرت کی زندگی سے ہے جس کے لئے تمہید و ذریعہ دنیا کی یہی زندگی بنتی ہے، اس صلاح و فلاح کو جاننے اور سمجھنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے دو ذریعے بنائے ہیں، ایک ذریعہ انسان کی عقل و فہم ہے، کہ جو اپنی فطری حالت میں ہونے کی صورت میں زندگی کے اچھے برے کو سمجھ سکتی ہے اور دوسرا ذریعہ وحی الٰہی ہے، جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتہ کے ذریعہ منتخب انسانوں کو انسانی زندگی کی ان اچھی اور بری باتوں سے باخبر رکھا جن کو انسان کی عام عقل و فہم پوری طرح متعین نہیں کر سکتی، اللہ تعالیٰ نے اپنی یہ وحی فرشتوں کے ذریعہ اور بغیر فرشتوں کے بھی اپنے جن منتخب بندوں کی طرف بھیجی، وہ نبی کہلائے ان میں آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہوئے، جنہوں نے دین کی باتوں کو جن سے انسانی زندگی کی اچھی اور بری باتیں متعین ہوتی ہیں اللہ کے حکم سے اور اس کی بھیجی ہوئی ہدایات کے لحاظ سے جامع اور وسیع شکل میں بتایا، اور محفوظ کر دیا، اور یہ بتایا کہ دین صرف عبادات کا نام نہیں بلکہ وہ زندگی کے تمام طور و طریق پر حاوی ہے جو انسان کو اس کی زندگی کی خیر و صلاح و فلاح کی راہوں پر چلنا بتاتا ہے، اسی جامع و کامل ہدایات کا نام اسلام ہے، لفظ اسلام کے معنی ہیں، اپنے کو سپرد کر دینا جس کا مطلب ہے کہ انسان اپنے زندگی کے اطوار و اخلاق کو اپنے خالق و مالک اللہ رب العزت کی مرضی کے سپرد کر دیتا ہے، اللہ رب العزت جو انسانوں کا خالق ہے وہ انسانوں کے مزاج کو اور ضرورتوں کو اور صلاحیتوں کو جانتا ہے، اس لئے اس نے جو طور و طریق انسانوں کے لئے پسند فرمائے ہیں، وہ انسانوں کی ضرورت اور طاقت اور صلاحیت کے مطابق ہیں اور وہ انسان کے لئے صلاح و فلاح کی ضمانت بھی دیتے ہیں، اسلام میں انہیں ہدایات کو دین کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے اسی دین کے ماننے والوں پر یہ ذمہ داری بھی رکھی ہے، کہ وہ اپنے کو صلاح و فلاح کے مطابق بنانے کے ساتھ ساتھ دوسروں کو بھی اس کے مطابق بنانے کی فکر کریں، اس کے لئے جو مناسب اور موزوں تدابیر ہیں وہ اختیار کریں، ان تدابیر کی ایک ترتیب رکھی گئی ہے وہ یہ ہے کہ جو لوگ ناواقف ہیں ان کو شفقت و محبت کے ساتھ واقف کرایا جائے، اسی کا نام دعوت ہے، اسی طریقہ سے ہر مسلمان کی حیثیت داعی کی بھی ہو جاتی ہے، اور کم سے کم مسلمانوں کی ایک وقیع تعداد اس کام پر مامور رکھی گئی ہے، اور اس ذمہ داری کی انجام دہی اللہ تعالیٰ کو بہت مطلوب ہے، کیونکہ وہ انسانوں کو بھلا دیکھنا چاہتا ہے لیکن جبر و تشدد سے نہیں بلکہ افہام و تفہیم سے یہ کام اللہ تعالیٰ کی نظر میں نہ صرف یہ کہ ضروری ہے بلکہ اس کی رحمت کو کھینچنے والا اور لانے والا ہے، اور یہ کام اگر کوئی بھی نہ کرے تو یہ کوتاہی انسانوں پر اللہ کے عتاب کے نازل ہونے کا سبب بن سکتی ہے۔

ہمیں تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاں جہاں اس کام سے بالکل پہلو تہی کی گئی وہاں وہاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ناراضی کے اثرات پڑے جو مصائب کی شکل میں اور تباہی کی شکل میں ظاہر ہوئے۔

دعوت کا کام افہام و تفہیم اور حکمت و موعظت کے ساتھ کرنے کے راستہ میں رکاوٹیں پیدا کی جائیں تو اللہ نے ان رکاوٹوں کو دور کرنے کے لئے

مسلمانوں کو جو بھی معقول طریقے ہیں ان کو اختیار کرنے کی اجازت دی ہے۔ لیکن ان ذرائع کے ساتھ جو مسلمانوں کے لئے انسانی طور پر قابل عمل ہوں اور اسی نقطہ سے وہ مرحلہ شروع ہوتا ہے جس میں مجبور ہو کر بعض مرتبہ کوشش کرنے والوں کو سختی کا رویہ اختیار کرنے کی نوبت آجاتی ہے، لیکن یہ سختی ظلم کو روکنے اور صحیح راستہ میں رکاوٹ پیدا کرنے کا مقابلہ کرنے کے لئے ہوتی ہے تاکہ انسانوں کو صلاح وفلاح کا راستہ بتانے کا کام انجام پاسکے، یہ بات جب طاقت کے اعلیٰ وسائل ہوں تو ان کے ذریعہ بھی عمل میں آتی ہے، لیکن کسی کو اس کے اختیار کردہ طریقہ زندگی کو زبردستی بدلنے پر مجبور کرنے کی اجازت نہیں، قرآن مجید میں آتا ہے، "لا اکراہ فی الدین" کہ دین کے معاملہ میں مجبور کرنا نہیں ہے، البتہ نصیحت وموعظت اور ابلاغ حق کو روکنے میں سختی اختیار کرے تو اس کے مقابلہ میں سختی کرنے کی اجازت ہے، قرآن مجید میں آتا ہے ﴿اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرٌ﴾ "یہ بات ان لوگوں کے لئے بتادی گئی ہے جن سے لڑائی کی جاتی ہے، کہ وہ مظلوم ہیں، اور یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کی مدد پر پوری قدرت رکھتا ہے،" اور یہ بھی قرآن مجید میں بتایا گیا کہ ﴿وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِیَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّ مَسٰجِدُ یُذْکَرُ فِیْهَا اسْمُ اللّٰهِ کَثِیْرًا﴾ کہ اگر لوگوں کا ایک دوسرے کو روکنے اور دفع کرنے کا معاملہ نہ ہو تو یہ مختلف عبادت خانے اور مسجدیں جن میں اللہ کو بہت یاد کیا جاتا ہے یہ سب ٹوٹ پھوٹ جائیں گی۔

اس طرح اس ضرورت کو بتایا گیا ہے کہ حق کی باتوں کو اور انسانوں کے صلاح وفلاح کے طریقوں کو لوگوں کو بتایا جائے اور ان کی زندگیوں کو راہ راست پر لایا جائے تاکہ وہ اپنے خالق ومالک کی مرضی کے مطابق ہوسکیں، اور اس کام کو روکنے نہ دیا جائے، خالق ومالک کی عبادت کے سلسلہ کو بند نہ ہونے دیا جائے، یہ کام امن وآشتی کے ساتھ کیا جائے، لیکن اگر اس میں رکاوٹ ڈالی جائے تو اس رکاوٹ کو دور کیا جائے، اور اگر منظم رکاوٹ ڈالی جائے تو منظم طریقہ سے روکا جائے، اور روکنے کی ضرورت بتائی گئی ہے لہٰذا اللہ کے بندے اس راہ میں کوشش اور محنت کرتے ہیں کہ خود ہی اپنے طور وطریق کو درست رکھنے کی فکر کرتے ہیں اور پھر دوسروں کے طور وطریق کو بھی درست کرنے کے لئے حکمت ومحبت کے ساتھ کوشش کرتے ہیں اور جب سختی کا ان کو مقابلہ پڑتا ہے تو وہاں ان کو سختی کا جواب دینا پڑتا ہے۔

اس پورے عمل کو اللہ تعالیٰ نے جہاد کے لفظ سے بھی یاد کیا ہے اور جہاد کے معنی اصلاً سعی بلیغ کرنے کے یعنی ہمت اور عزم کے ساتھ پوری کوشش کرنے کے ہیں اور یہ اللہ کو بہت محبوب ہے، لیکن افسوس کی بات ہے کہ اس لفظ کے صحیح مفہوم اور معنی کو اس کے صرف ایک رخ کے ساتھ مخصوص سمجھا جانے لگا اور اس کا مطلب اسلام کے مخالفین محض لڑائی اور جھگڑے کے لینے لگے ہیں، حالانکہ اس سے جو عمل مقصود ہے وہ انسانوں کے ساتھ خیر خواہی اور ان کی خیر طلبی کا ہے، اس میں مقابلہ اور ٹکراؤ عموماً جو آتا ہے، اور مجبوری کا ہوتا ہے اور وہ اس کا صرف ایک رخ ہے، اور اس میں بھی یہ شرط ہوتی ہے کہ اس میں اصلاً اپنی ذاتی اور مادی اور دنیاوی منفعت پیش نظر نہ ہو، اس میں خیر طلبی مقصود ہو، اور اچھے مقصد کے لئے اپنے جان ومال کی قربانی کے جذبہ سے ہو۔

دنیا میں اس وقت انسان کے لئے خیر طلبی کے بجائے دوسروں کے ساتھ ظلم کرنے اور لڑنے بھڑنے کی مثالیں عام ہوتی ہیں ان میں اپنی اپنی صرف دنیاوی منفعت مقصود ہوتی ہے، یہ مثالیں ہر طرف بڑے پیمانہ پر وجود میں آتی رہتی ہیں، جس میں لاکھوں جانیں ضائع ہوجاتی ہیں، اور یہ سب اپنے نفس اور اپنی دنیاوی خواہش کی تکمیل کے لئے کیا جارہا ہے طاقتور فریق اس کو اختیار کرتا ہے، ہیروشیما اور ناگاساکی میں لاکھوں انسانوں کو ختم کردیا گیا، فلسطین سے لاکھوں باشندوں کو اپنے گھروں سے نکال کر صحراؤں میں اور دوسرے علاقوں میں بھگادیا گیا اور جو نہ نکالے جاسکے ان کو بمباری سے تباہ کیا جاتا رہا، اس مقابلہ میں کوئی غصہ میں انتقامی عمل اختیار کرلے تو کیا تعجب کی بات ہے، لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ جو لوگ اس کام کو کرلیتے ہیں تو ان کو شک کی نظر سے دیکھا جاتا ہے اور بعض ان واقعات پر کہ جن کے اسباب انفرادی اور مقامی ہوتے ہیں ان کے حوالہ سے ابلاغ حق اور انسانیت کے فلاح وصلاح کے لئے کی جانے والی کوششوں کو بلاوجہ الزام دیدیا جاتا ہے اور اس کو تشدد اور دہشت گردی کا جھوٹا نام دے کر بدنام کیا جاتا ہے اور افسوس کی بات ہے کہ یہ سوچے سمجھے طریقہ سے اور عداوت کے جذبہ سے کیا جاتا ہے، یہ بات پوری انسانیت کے لئے ایک بدخواہی اور مضرت رسانی کا عمل ہے، ہم اہل حق کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ جن کی معلومات اس سلسلہ میں غلط فہمی پر مبنی ہیں ان کے خیالات کو بھی درست کریں۔ ✿✿✿

(افادات سید ابوالحسن علی ندوی (۱))

رمضان کی کہانی خود اس کی زبانی

(مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی ایک عربی تقریر جو ۱۹۵۴ء میں آل انڈیا ریڈیو کے عربی پروگرام میں نشر کی گئی تھی۔ جس میں مولانا نے اپنی بات رمضان کی زبان سے کہی تھی اور سامعین کو رمضان کا مخاطب بنایا تھا تاکہ مخصوص تاثر پیدا ہوسکے۔

امید ہے کہ ناظرین کے حق میں یہ تقریر رمضان شریف کے پرجوش استقبال کی ترغیب ثابت ہوگی۔ ندائے ملت لکھنؤ کے شکریہ کے ساتھ ہدیہ ناظرین ہے۔)

میرے دوستو! تمھیں نیا رمضان مبارک اور خدا کی طرف سے تم پر پاک وبابرکت سلام:۔ تمھاری یہ فرمائش گویا میرے دل کی خواہش ہے۔ پتہ نہیں کیوں خود میرا جی کچھ بات کرنیکو چاہ رہا تھا اور ایک تقاضہ تھا جو مجھے بات کرنے پر مجبور کررہا تھا۔ اور میں محسوس کرتا ہوں کہ تمھارے تجویز کردہ عنوان سے بہتر اور محبوب عنوان گفتگو میرے لئے اور کوئی ہو نہیں سکتا۔

سنہ ہجری کے دوسرے سال میں میرا آنا پہلے سالوں سے یکسر مختلف تھا، پہلے میں سال کے دوسرے مہینوں کی طرح ایک مہینہ تھا اپنے دوسرے بھائیوں اور رفیقوں سے کسی قسم کا امتیاز مجھے حاصل نہیں تھا نہ کوئی خاص بات میرے اندر تھی نہ کسی پیغام کا میں حامل تھا اور نہ دین کے ارکان سے کوئی رکن مجھ سے متعلق تھا۔ رجب، ذی القعدہ، ذی الحجہ اور محرم پر مجھے حسد..... استغفر اللہ..... رشک ہوتا تھا، کیوں کہ یہ اشھر حرم (محترم مہینے) تھے اور ان میں سے ذی الحجہ پر مجھ کو خاص وجہ سے رشک آتا تھا، وہ یہ کہ وہ حج کا مہینہ تھا۔۔۔۔ مجھے وہم وگمان بھی نہیں ہوسکتا تھا کہ مجھے کبھی اتنا بڑا اعزاز بخشا جائے گا اور روزہ جیسا اہم اور مقدس پیغام کا مجھے حامل بنایا جائے گا لیکن یہ اللہ کا فیصلہ ہے اور وہ جس کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ بہرحال اب سنیئے!

مسلمانوں نے شعبان سے میرا انتظار کرنا شروع کیا انھوں نے شعبان کا بھی ایک مقدمۃ الجیش اور میرے مبشر کی طرح استقبال کیا۔ شعبان ہی میں ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اے لوگو! رمضان کا مہینہ ہم پر سایہ فگن ہو رہا ہے، بڑا عظیم الشان مہینہ ہے اس میں ایک رات ایسی ہے جو ہزار مہینوں سے بڑھ کر ہے اللہ نے اس مہینہ کے روزے فرض کئے ہیں اور رات کے قیام (تراویح) کو نفلی عبادت ٹھہرایا ہے۔ جو شخص اس ماہ میں ایک نفل نیکی کریگا اس کا ثواب اور دنوں کے فرض کے برابر ہوگا۔ اور جو کوئی ایک فرض ادا کرے گا اس کا ثواب اور دنوں کے ستر فرضوں کے برابر ہوگا۔ یہ ماہ صبر ہے اور صبر کا بدلہ جنت ہے، یہ غم خواری اور غم گساری کا مہینہ ہے۔ اس میں مومن کا رزق بڑھادیا جاتا ہے۔

تمام لوگ میرا چاند دیکھنے کیلئے بلند ٹیلوں اور مکانوں پر چڑھ گئے، غروب آفتاب کے بعد مدینہ میں کوئی شخص ایسا نظر نہ آتا تھا جو آسمان کی طرف نظر اٹھائے میری جستجو نہ کررہا ہو، ہر شخص کی یہ خواہش تھی کہ سب سے پہلے وہ میری آمد کا مژدہ سنائے۔

پروردگار عالم نے ارادہ فرمایا کہ مجھے اب مزید تاخیر نہ ہو، لہٰذا اس کے طرف سے حکم سے چاند طلوع ہوا اور مدینہ کے اس سرے سے اس سرے تک ایک مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ لوگوں کی زبانوں پر ایک نغمہ مسرت جاری ہوا۔

هلال رشد و خير: اللهم اهله علينا بالامن والايمان والسلامة والاسلام والتوفيق لما تحب وترضى.

سامعین کرام! مجھے اس کے کہنے میں معاف رکھیں کہ ابتدائے اسلام میں لوگوں کو میری آمد سے جو مسرت ہوتی تھی..... حالانکہ میں جیسا کہ آپ کو معلوم ہے صبر وجہاد کا مہینہ تھا..... وہ اس مسرت سے بڑھ کر ہوتی تھی جو آج آپ کو عید کا چاند دیکھ کر ہوتی ہے۔ میں اس کے اسباب میں نہیں جاؤں گا کیوں کہ یہ ایک طویل بات ہے اور ویسے بھی آپ کو کڑوی لگے گی۔

(میری آمد سے) مدینہ کے لوگوں میں ایک نئی زندگی اور ایک نیا نشاط عبادت ابھر آیا یہ لوگ عشا کے بعد ایک ایک، دو دو اور تگڑیاں تگڑیاں ہوکر نوافل میں مشغول ہوگئے۔ قرآن کی تلاوت کرتے اور نمازیں پڑھتے رہے یہاں تک کہ جب رات آخر ہوئی اور سحر قریب ہوئی تو رات کی باسی روٹی یا کھجور اور پانی میں سے جس کو جو میسر آیا اس نے اس سے سحر کھائی پھر مساجد کی راہ لی اور نماز فجر ادا کی۔

یہی وہ مقام ہے جہاں وہ لوگ آج کے روزہ داروں سے ممتاز ہوجاتے ہیں آج اگر آپ میں سے کوئی رات کو تھوڑی دیر عبادت کرلیتا ہے اور پھر روزہ کی نیت کرلیتا ہے تو وہ اپنا حق سمجھتا ہے کہ

دن میں جتنا چاہے سوئے، چنانچہ آج شہر میں بہت کم ایسے روزہ دار ملیں گے جو (روزہ رکھ کر) صبح ہی صبح اپنی دوکان یا ڈیوٹی پر جاتے ہوں اور کم ایسے روزہ دار ملیں گے جو سوتے یا اونگھتے نظر نہ آتے ہوں، رات کو خواہ کتنا ہی تھوڑا قیام کریں مگر اس کے بدلے میں دن کا ایک خاصہ حصہ ضرور نیند کی نذر کر دیا جاتا ہے۔ اس کے برعکس صحابہ و تابعین (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کا حال یہ تھا کہ رات کا قیام ان کے دن کے نشاط میں کوئی فرق نہیں ڈالتا تھا وہ رمضان میں عبادت بھی کرتے تھے اور مشقت حیات بھی برداشت کرتے تھے اور کبھی تو روزے کی حالت میں جہاد بھی کرتے تھے، ان کے زمانہ میں رمضان اشیاء کی طبائع نہیں بدلتا تھا اور نہ دن کو رات بناتا تھا، وہ اسلئے ان میں قوت اور نشاط کار بڑھا دیتا تھا اور کوئی وہ نیکی جس کو لوگ پہلے سے کرتے تھے، رمضان کی آمد سے منقطع نہیں ہوتی تھی، میں آکر اہل مدینہ کے اخلاق میں کوئی فرق نہیں پاتا تھا مثلاً انھوں نے مسلمان ہونے کے بعد سے نیبت، فحش کلامی اور بدگوئی سے زندگی بھر کا روزہ رکھ لیا تھا، تو وہ روزوں میں بھی پاک زبان، پاک نفس اور پاک باطن رہتے تھے، ہاں اگر فرق ہوتا تھا تو یہ ہوتا تھا کہ وہ ان دنوں میں جائز غصے کو بھی ضبط کرتے تھے اگر ان میں سے کسی کو کوئی شخص گالی دیتا یا لڑنے کی باتیں کرتا اس کا جواب ہوتا کہ:۔

"میں روزہ دار ہوں"

میری آمد پر وہ لوگ نیکی اور غمخواری کے بیحد حریص ہو گئے یوں سمجھئے کہ ہوا سے مقابلہ کرتے تھے ان کے سامنے رسول اللہ ﷺ کا اسوہ حسنہ تھا۔

"جب رمضان آتا تو آنحضرتؐ امور خیر میں آندھی سے بھی زیادہ تیز رفتار ہو جاتے تھے۔"

روزہ دار کو افطار کرانے، غلاموں کو آزاد کرانے، ستم رسیدوں کی امداد کرنے اور بھوکوں کو کھانا کھلانے میں ایک دوسرے پر سبقت کرتے تھے، چنانچہ اسی وجہ سے فقراء و مساکین میری آمد کے منتظر رہتے تھے۔

لوگوں نے اپنے مشاغل میں روزہ گذارا، لیکن اللہ سے غافل نہیں ہوئے اور نہ بیع و تجارت نے ان کو اللہ کی یاد اور جماعتوں کی حاضری سے غافل کیا، شام کو گھر لوٹے اور ذکر و تلاوت میں مشغول ہو گئے۔ مساجد کا حال اس وقت یہ ہو جاتا تھا کہ اگر تم جاؤ تو ذکر کی بھنبھناہٹ کے سوا کوئی آواز نہ سن پاؤ۔

آفتاب غروب ہوا، مؤذن نے اذان دی اور میں نے دیکھا کہ سیدالاولین و آخرین نے ایک چھوہارے اور کچھ پانی سے افطار فرمایا اور پھر اس پر اتنا شکر کہ انواع و اقسام کی افطاریوں پر بھی لوگوں کو یہ مقام شکر نصیب نہیں ہو سکتا۔ سنئے حضور ﷺ فرما رہے ہیں۔

ذهب الظمأ واتبلت العروق وثبت الاجر إن شاء الله.

تشنگی دور ہوئی، رگیں تر ہوئیں، اور اللہ نے چاہا تو اجر واجب ہو گیا۔

آپ کے اصحاب نے بھی اسی طرح چند کھجوروں اور پانی کے چند گھونٹوں سے روزہ کھولا، اور اللہ کی حمد کی، پھر نماز پڑھی اور جو کچھ اللہ نے عنایت فرمایا صرف بقدر ضرورت کھالیا۔ نہ اس میں اسراف ہوتا تھا اور نہ ناک تک پیٹ بھرتا تھا۔

مہینہ بھر ان کا یہی معمول رہتا تھا نہ اس میں کوئی فرق آتا تھا اور نہ وہ اس سے اکتاتے اور برداشتہ خاطر ہوتے بلکہ ہر دن نشاط کی ایک نئی کیفیت پیدا ہوتی اور عبادت و نیکی کی حرص بڑھتی تھی گویا روزوں سے ان کو روح کی غذا ملتی تھی اور مہینے کے آخر میں ان کی قوت اور ان کا نشاط پہلے سے بھی بڑھا ہوا نظر آتا تھا۔

رسول اللہ ﷺ بھی ایک مسلسل نشاط اور ذوق عمل سے مخمور رہتے تھے، یہاں تک کہ جب آخری عشرہ آتا تو بالکل کمر کس لیتے تھے، رات عبادت میں گزارتے تھے اور اہل خانہ کو بھی جگاتے اور پھر اعتکاف فرما لیتے تھے۔

میں جب اس دور سعادت کے روزہ داروں کا بعد کے روزہ داروں سے مقابلہ کرتا ہوں تو صورت و شکل میں تو کوئی فرق نظر نہیں آتا بلکہ بعض بعد والے زیادہ نفل پڑھتے اور زیادہ وقت تلاوت کرتے نظر آتے ہیں، مگر خشوع و اخلاص اور ایمان و احتساب کی کیفیت میں کھلا فرق محسوس کرتا ہوں، اگر سابقین کی ایک رکعت کا وزن کیا جائے تو بعد والوں کی بہت سی رکعتوں پر بھاری نکلے گی کہ وہ اپنے ایمان و احتساب میں بھاری تھے۔

اور دوسرا فرق جو میں بتلا سکتا ہوں یہ ہے کہ ان پر روزہ اپنے بہت گہرے اخلاقی اور نفسیاتی اثرات چھوڑ کر جاتا تھا، یوں کہئے کہ ان کی طبیعتوں پر روزہ کی ایک نہ مٹنے والی چھاپ پڑ جاتی تھی اور اگلے سال جب میں پھر لوٹ کر آتا تو ان میں وہی عفت، وہی تقویٰ، وہی صدق و امانت، وہی رقت، وہی کریم النفسی، وہی حرص و طاعت، وہی لذات نفس سے نفرت، وہی آخرت کی فکر اور وہی دنیا سے بے رغبتی پاتا۔ الغرض ہر دوسری مرتبہ وہ مجھے پہلے سے زیادہ پاک باطن و صاف دل ملتے تھے۔

قصہ مختصر! جب وقت ختم ہو گیا اور روانگی کا دن آیا تو انھوں نے مجھے ایک بہت ہی پیارے دوست کی طرح رخصت کیا۔ آنسو کسی طرح تھمتے نہ تھے، اور آہیں قرار پاتی نہ تھیں، لبوں پر یہ دعا تھی کہ خدایا یہ ملاقات آخری نہ ہو، یہ دن اس کے بعد بھی بار بار آئیں۔

یہ ہے خیر القرون میں میرے استقبال کی ایک ہلکی سی تصویر!

(افادات (۲))

فریضۂ رمضان کی حکمتیں

"اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے جیسے تم سے پہلوں پر کئے گئے تھے۔ تا کہ شاید تم میں تقویٰ پیدا ہو۔"

اسلام اپنے پیروؤں کو جس اعتدال، ضبط نفس، اطاعت اور روحانیت کے کمال تک پہونچانا چاہتا ہے اس کے لئے اس نے دو راستے اختیار کئے ہیں:

جو اشیاء اور اعمال انسان کی زندگی میں خود فراموشی، سخت بے اعتدالی، معصیت اور ارتکاب جرم کی طرف طبعی میلان، پستی اور بے عملی کی طرف رجحان اور سرکشی کی طرف رغبت، دنیا کی زندگی کی بڑھی ہوئی ہوس اور تعیش و فسق و فجور بے حیائی اور بے غیرتی کی ترغیب پیدا کرتے ہیں ان سب کو اس نے ابدی طور پر انسان کے لئے ممنوع قرار دیدیا جس میں عمر کے کسی مرحلے اور زمانہ کے کسی اختلاف اور ملک و مقام کے کسی امتیاز کو دخل نہیں ہے ممنوعات کی اس فہرست میں وہ تمام معاصی داخل ہیں جو کبھی انسان کے لئے حلال اور جائز نہیں مثلاً شراب، لحم خنزیر، قمار، سود، مال حرام اور دوسرے معاصی۔

جو کوئی شخص اسلام قبول کرتا ہے یا مسلمان سن بلوغ کو پہونچتا ہے تو وہ ان تمام چیزوں سے روزہ رکھ لیتا ہے وہ اسلام کے احکام کا مخاطب بن جاتا ہے۔ اب اس روزے کا افطار عمر کے آفتاب کے غروب ہونے سے پہلے نہیں ہے، ایک طویل روزہ ہے جو ہر مسلمان کو سفر و حضر میں رکھنا ہوتا ہے اور حالت اضطرار شرعی کے سوا کوئی استثناء نہیں، شریعت کے مقاصد کے حصول کے لئے اور ان معاصی کو بند کرنے کے لئے جن کا اوپر تذکرہ کیا گیا ہے یہ روزہ لازمی ہے۔

ان منصوص چیزوں کے علاوہ لذت کی تمام چیزیں بشرطیکہ وہ حرمت و کراہیت سے خالی ہوں، مباح اور جائز ہیں ان سے خواہ مخواہ کے لئے رکنا پسندیدہ نگاہ سے نہیں دیکھا گیا ہے اور ان حلال چیزوں کو اپنے لئے حرام کر لینا شریعت میں ایک طرح کی تحریف، دین میں تشدد اور کفران نعمت قرار دیا گیا ہے۔

"آپ کہہ دیجئے کہ کس نے حرام کیا ہے اللہ کی اس زینت اور پاک رزق کو جو اس نے اپنے بندوں کے لئے نکالا ہے آپ کہہ دیجئے کہ یہ سب چیزیں ایمان والوں کے لئے دنیا میں بھی ہیں اور آخرت میں تو مخصوص طور پر۔

دوسری آیت میں فرمایا گیا کہ کھانا پینا ناجائز نہیں بلکہ اسراف ناجائز ہے:

"پس کھاؤ اور پیو اور اسراف مت کرو۔"

لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان مباحات ولذائذ کا بے قید اور دائمی استعمال، لذتوں میں انہماک، اکل و شرب کی دائمی آزادی، اس جادہ اعتدال سے انسان کو ہٹا دیتی ہے جس پر دین مسلمان کو دیکھنا چاہتا ہے اس کے رجحانات اور مقاصد زندگی کو بدل دیتی ہے اور بعض اوقات نفس پروری، شکم پروری، ناؤنوش اور بعیش کوش مقصود زندگی بن جاتا ہے طبیعت میں ایک طرح کی بلادت اور بے حسی پیدا ہو جاتی ہے ضبط نفس اور جفاکشی کی قوت باقی نہیں رہتی، تن آسانی مہم کی خو پیدا ہو جاتی ہے۔ انسانیت کی روح کچل جاتی ہے اور روحانی جذبات مردہ ہو جاتے ہیں۔ سالہا سال اور بعض اوقات پوری عمر حقیقی روحانی مسرت، سبک روحی، دماغ کی یکسوئی، ذکر و عبادت میں لذت، مناجات کی حلاوت نصیب نہیں ہوتی۔ بعض لوگوں کو برسوں خالی پیٹ ہونے اور اعتدال کی سعادت حاصل نہیں ہوتی۔ اور وہ اس کا مزہ نہیں جانتے۔

اس اعتدال، ضبط نفس اور روحانیت کی قوت کو بڑھانے کے لئے دو راستے تھے ایک تقلیل طعام کا راستہ تھا لیکن اس میں دو نقص ہیں ایک تو اس کا عمومی معیار، سب کیلئے ایک مقدار مقرر کرنا نہایت مشکل ہے اور اس کو لوگوں کی رائے اور تمیز پر چھوڑنا بھی دشوار۔ کہ اول تو یہ اصول تشریعی آئین سازی کے خلاف ہے دوسرے مذاہب و اخلاق کی تاریخ میں اس کا تجربہ ہمیشہ ناکام رہا ہے، لوگوں نے اس آزادی اور اختیار کا ہمیشہ غلط استعمال کیا ہے۔ اور مبہم اور غیر معین احکام عملاً بے کار و بے نتیجہ ہو کر رہ گئے۔ (جیسے بہت سے اخلاقی نصائح اور ہدایات) دوسرے اکثر محض تقلیل طعام، بہت طبائع کے لئے بالکل غیر موثر اور بے نتیجہ تدبیر ہے۔

دوسرا راستہ یہ ہے کہ کوئی ایسا طویل وقفہ مقرر کیا جائے جس میں کوئی چیز استعمال نہ ہو۔ یہ طریقہ زیادہ حسی، زیادہ موثر اور قوت ہیمنہ کو زیادہ کمزور کرنے والا ہے یہ وقفہ دین کی اصطلاح میں (صوم) یا روزہ ہے جس کے خاص احکام و شرائط ہیں جو بہت گہرے تشریعی اور نفسیاتی اسرار پر مشتمل اور حکم و مصالح پر مبنی ہیں۔

۱۔ روزہ صبح صادق سے شروع ہو کر غروب آفتاب تک رہتا ہے۔ اگر یہ وقفہ پورے دن سے کم ہوتا تو اس کا کوئی خاص اثر شعور و طبیعت پر نہ پڑتا زندگی میں ایسے اتفاق ہوتے رہتے ہیں کہ کئی وقت کا کھانا ناغہ ہو جاتا ہے۔ اگر محض یہی ہو کہ دن میں صرف چند گھنٹوں کا روزہ رکھا جائے تو اس کا کوئی خاص احساس اور اصلاحی اثر نہ پڑیگا اور بہت سے لوگوں کو ایسا معلوم ہوگا کہ گویا اپنے حساب سے ایک

روز ذرا دیر سے کھانا کھایا۔

۲۔ یہ روزے رمضان کے تیس یا انتیس دن رکھے جاتے ہیں اس لئے کہ ایسے وقفے مسلسل ہوں تا کہ ان کے نقوش دیرپا ہوں۔ ایک طویل وقفے سے یہ بہت زیادہ مفید ہے کہ متواتر متعدد متوسط درجے کے وقفے ہوں۔

۳۔ ان وقفوں کی تعداد کا تعین بھی ضروری ہے کہ اس کو مبہم اور غیر معین چھوڑ دینے سے افراط و تفریط کا اندیشہ ہے۔ بہت سے لوگ بہت تھوڑے روزے رکھتے ہیں اور بہت سے لوگ بہت زیادہ روزے رکھتے ہیں اور پھر جب یہ عالم گیر فریضہ ہے، اور تشریع عام مقصود ہے تو اس میں انتخاب کا حق نہیں رہنا چاہئے تھا کہ جو شخص جس مہینے میں چاہے روزے رکھے۔ اس سے عام طور پر حیلہ جوئی، عذر اور بے عملی کا دروازہ کھلتا ہے اور گریز کی راہ پیدا ہو جاتی ہے۔ احتساب اور باز پرس کا کوئی موقع نہیں رہتا۔ وعظ و نصیحت امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا دروازہ بند ہو جاتا ہے جس شخص سے کسی وقت بھی اس بارے میں گفتگو کی جائے وہ یہ کہہ کر منہ بند کر سکتا ہے کہ میرا معمول فلاں مہینے میں ہے اور اس کا کوئی جواب نہیں اس طرح رفتہ رفتہ اس چیز کا رواج مٹ جائے گا۔

۴۔ ایک ہی وقت میں تمام روئے زمین کے مسلمانوں کے روزے رکھنے میں بڑی حکمت ہے مسلمانوں کی بڑی جماعت کا فریضہ صیام کو اہتمام کے ساتھ ایک وقت میں ادا کرنا کمزور طبیعت والوں کے لئے بھی ہمت افزا، شوق انگیز اور فریضہ کی ادائیگی میں مددگار ثابت ہو جاتا ہے ایک عالم گیر روحانی ماحول اور ایک عمومی دینی فضا پیدا ہو جاتی ہے جو قلوب و ارواح کیلئے موسم بہار کی سی تاثیر رکھتی ہے جس میں تھوڑی توجہ سے ہر چیز میں نشوونما پیدا ہونے لگتا ہے مسلمانوں کے اس روحانی فریضہ میں مشغول ہونے سے ملکوتی انوار و برکات کا نزول ہوتا ہے اور عوام کے آئینہ دل پر انوار کا انعکاس ہوتا ہے۔ مسلمان عالم کے جس گوشہ میں ہو ان کو روزہ دارانہ فضا معلوم ہوتی ہے جو اس سے خود ہی تقاضہ کرتی ہے کہ وہ بھی روزہ دار ہو مسلمان روزہ شکنی کر کے اپنے کو اس ماحول میں اجنبی اور ایک طرح کا مجرم سمجھتا ہے۔

۵۔ ان تمام حکمتوں کی بنا پر سال میں پورا ایک مہینہ روزہ کے لئے مخصوص کر دیا گیا۔ دوسری خصوصیات کے علاوہ جن کا ہمیں علم نہیں۔ رمضان کی تخصیص کی ایک کھلی وجہ یہ ہے کہ اس ماہ مبارک میں نزول قرآن کا سلسلہ شروع ہوا اور روزہ اور قرآن میں خاص مناسبت ہے قرآن چوں کہ عالم غیب اور عالم روحانیت کی چیز ہے اور روزہ عالم مادی سے بہت حد تک آزادی، قلب و روح میں لطافت اور عالم غیب اور عالم روح سے ایک طرح کی مناسبت پیدا کر دیتا ہے۔ روزہ دار پر خدا کی صفات کا ایک پرتو اور اس کی شان صمدیت کا ایک اثر پیدا ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کے حصے کو مختلف طریقوں سے روزہ میں زیادہ سے زیادہ داخل کیا گیا۔ اور یہی تراویح کی حکمت ہے۔

۶۔ روزہ زندگی میں ایک ایسا محسوس فرق اور امتیاز پیدا کر دیتا ہے کہ بے حس سے بے حس انسان کو بھی اپنی سابقہ زندگی، غفلت شعاری اور دنیا وی انہماک میں تخفیف کا طبعی تقاضہ پیدا ہو جاتا ہے رمضان ایک مہمیز کا کام دیتا ہے جو سوئی ہوئی طبیعتوں کو جگانے، بجھے ہوئے دلوں کو گرمانے، آتش محبت کو بھڑکانے اور دبی چنگاریوں کو ابھارنے کا سامان پیدا کر دیتا ہے۔ انسان کی فطرت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تنوع اور اختلاف کو انسان کے بیدار اور ہوشیار کرنے اور اس کی کند طبیعت کو تیز کر دینے میں بڑا دخل ہے۔

رات دن کے اختلافات کو انسان کی جسمانی روحانی تازگی میں خاص دخل ہے۔ قرآن کہتا ہے:

''وہ وہی ہے جس نے بنایا رات اور دن کو ایک دوسرے کا جانشین واسطے اس کے جو سوچے اور شکر گذاری کا ارادہ کرے۔''

دوسری جگہ فرمایا ہے:

''بلا شبہ آسمانوں اور زمین کی تخلیق اور اختلاف لیل و نہار میں نشانیاں ہیں ان اہل عقل و دانش کے لئے جو یاد کرتے ہیں اللہ کو کھڑے اور بیٹھے.....''

جس طرح کہ مادی طور پر رات دن کا اختلاف ہر نئی صبح کا طلوع انسان میں ایک شعور، ایک نئی آمادگی اور خالق کی طرف توجہ پیدا کر دیتا ہے۔ اسی طرح روحانی طور پر رمضان کی سالانہ آمد مسلمانوں کی بستیوں اور آبادیوں میں روحانیت کا احساس، دینی بیداری، اپنی کوتاہیوں پر ندامت، مجرموں میں اپنے جرائم پر ندامت اور خدا کی طرف ایک توجہ اور انابت پیدا کر دیتی ہے۔ اور اگر مادیت نے قلب کو بالکل بے حس نہیں بنا دیا ہے تو صدہا آدمیوں کو توبہ اور اصلاح کی توفیق ہو جاتی ہے۔ رمضان سالانہ احتساب اور اپنی سابق زندگی کا جائزہ لینے کا ایک بہترین موقع ہے۔ ہر شخص آسانی سے دیکھ سکتا ہے کہ اس نے گزشتہ رمضان سے اس رمضان تک کیسی زندگی گزاری ہے اور اس نے دینی حیثیت سے کہاں تک ترقی کی ہے۔

۷۔ رمضان ہر سال ہر شخص کو اپنی سطح سے ترقی دینے کے لئے آتا ہے جو شخص جس سطح تک پہونچ گیا ہے، خواہ وہ سطح کتنی ہی بلند کیوں نہ ہو اس سے بلند کرنے کی طاقت اس میں موجود ہے ہر شخص عمل، روحانیت، ذکر و عبادت، تعلق باللہ، اخلاص، جفاکشی و مجاہدہ، زہد و قناعت، ایثار، غمخواری اور مواساۃ کی جس منزل و مقام پر بھی ہے ہر نیا رمضان اس کو اس سے آگے بڑھانے کے لئے اور زیادہ بلند منزل کا شوق دلانے کے لئے آتا ہے۔ رمضان کی ساخت، رمضان کا نظام، رمضان کے اجزاء، (بقیہ صفحہ ۹)

افادات (۳)

زکوٰۃ

خُذ مِن اَموالِھِم صَدقَۃً تُطَھِّرھم وتُزکیھم بھا۔ (التوبہ)

(وصول کیجئے آپ ان کے مالوں سے زکوٰۃ جس کے ذریعہ آپ ان کو پاک وصاف کریں اور ان کا تزکیہ ہو)

سرمایہ کے متعلق قرآن مجید نے جو خاص احکام دئے ہیں ان میں ادائیگی زکوٰۃ کا حکم سب سے اہم ہے یہ اسلام کا تیسرا رکن ہے۔

زکوٰۃ کے معنی عربی میں پاکی کے ہیں۔ زکوٰۃ کو اسی واسطے زکوٰۃ کہا جاتا ہے کہ گویا اس کے ذریعہ نفس اور مال کی طہارت ہوتی ہے، مال کی محبت اور بخل قلب کا ایک ایسا مرض ہے جو اندر ہی اندر دل پر چھا جاتا ہے اور اس پر ایسا قبضہ کر لیتا ہے کہ انسان پھر کسی دوسرے اعلیٰ مقصد کا طالب نہیں رہ سکتا اور اس کے لئے قربانی نہیں کر سکتا۔

ایک نفسانی مرض سے ہزاروں اخلاقی امراض پیدا ہوتے ہیں۔ شریفانہ خصائل عالی حوصلگی، کریم النفسی، ایثار، قربانی، سلوک و ہمدردی اور انسانیت کے اعلیٰ خصائص فنا ہو جاتے ہیں اور رذالت، تنگدلی، تنگ ظرفی، خود غرضی، سنگدلی دبے دردی اور بزدلی و کمزوری پیدا ہو جاتی ہے، اور یہ کیفیات تمام روحانی ترقیات اور ہر قسم کے خیر و برکات کے لئے حجاب ہیں۔

اسی طرح وہ مال جو ضروریات پوری ہونے کے بعد بچ رہا اور ضرورت سے فاضل ہے وہ قرآن مجید کی نظر میں ایسا مال ہے جس کو پاک کرنے کی ضرورت ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ اس کا ایک حصہ اللہ کے بتائے ہوئے راستہ پر صرف کیا جائے اس سے نفس و مال دونوں کی پاکی اور طہارت ہو جائے گی۔

یہ زکوٰۃ اور نماز نفس کا ایک ایسا مجاہدہ اور ریاضت ہے، ایک ایسی اصلاح و تربیت اور روح و قلب کی ایک ایسی اندرونی طاقت ہے جس کے حصول کے بغیر کسی قسم کے جانی و مالی جہاد و قربانی کی توقع بے کار ہے۔۔۔ اسی لئے جہاد کے فرض ہونے سے پہلے اس کی تعلیم دی گئی اور اس کی تاکید کی گئی کہ یہ سفر جہاد کی پہلی اور دوسری منزل ہے اور اس منزل سے جو نہیں گزرا وہ دوسری منزل کی ہمت نہیں کر سکتا۔

قرآن مجید کے الفاظ میں زکوٰۃ ان دینی و دنیاوی منافع و برکات کی جامع ہے جس کی قائم مقام کوئی انسانی تدبیر اور معاشی نظام نہیں ہو سکتا۔ زکوٰۃ کے ذریعہ ایک جماعت کی زائد دولت کا ایک حصہ جو اس کی ضروریات سے فاضل ہوتا ہے (اس کا ثبوت یہ ہے کہ وہ سال بھر خرچ نہیں ہوا)، ضرورت مند افراد کو پہونچ جاتا ہے جن کے پاس اپنی ضروریات زندگی کا سامان نہیں ہوتا۔

زکوٰۃ کا نظام وہ الٰہی نظام ہے جو ہر طرح مکمل اور پورے طور پر متوازن و متناسب اور انتہائی طریق پر عادل و معتدل ہے اس کے کسی گوشہ اور کسی حصہ میں کوئی خلا، کوئی کمی زیادتی اور کوئی بے ترتیبی نظر نہیں آتی۔

(بقیہ صفحہ ۸ کا)

رمضان کے مشاغل اور رمضان کا ماحول ایسا بنایا گیا ہے کہ ہر شخص کو اپنی ترقی دینے کا موقع حاصل ہوتا ہے مادی موانع تقریباً دور ہو جاتے ہیں۔ ذکر و عبادت میں جذب، مسابقت پیدا ہوتا ہے۔ اچھے دینداروں اور روزہ داروں کا ساتھ ہوتا ہے، قرآن مجید کی تلاوت اور مطالعہ کا زیادہ سے زیادہ موقع ملتا ہے، قلب و روح میں لطافت پیدا ہوتی ہے، غرض وہ سارے مواقع بہم پہونچ جاتے ہیں جو انسان کی روحانی ترقی اور اصلاح کیلئے ضروری اور مفید ہیں اور ہر شخص کو اپنی سطح کے مطابق ترقی ہوتی ہے۔

۸۔ رمضان کے روزے کی ایک دوسری خصوصیت یہ ہے کہ وہ اطاعت الٰہی کا ایک کھلا ہوا مظہر ہے اس سے بڑھ کر اطاعت کا ثبوت کیا ہو سکتا ہے کہ نعمتوں کی موجودگی اور ہر چیز کے استعمال کی قدرت کے باوجود محض امتثال حکم کے لئے آدمی اپنے ہونٹوں پر قفل لگا لیتا ہے۔ یہ قفل اللہ کے حکم ہی سے کھلتا ہے اور اللہ کے حکم سے لگتا ہے جب نہ کھانے کا حکم ہوا اس وقت کھانا گناہ اور جب کھانے کا حکم ہو جائے تو اس وقت تعمیل ارشاد میں دیر کرنا غلطی ہے اس لئے آفتاب کے غروب ہو جانے کے بعد افطار کرنے میں تاخیر کرنا مکروہ ہے۔

۹۔ روزہ میں جب وہ چیزیں بھی ممنوع ہو جاتی ہیں جو روزہ کے علاوہ ہمیشہ سے حلال و طیب ہیں اور روزہ کے بعد ہمیشہ حلال و طیب رہیں گی تو وہ چیزیں کیسے ممنوع نہ ہوں گی جو روزہ سے پہلے بھی حرام اور ممنوع تھیں اور روزہ کے بعد بھی حرام اور ممنوع ہوں گی یعنی غیبت، برائی، جھگڑا، گالی گلوچ، بے حیائی، جھوٹ، روزہ کی روح یہ ہے کہ تمام گناہوں سے اجتناب اور نفرت پیدا ہو اور روزہ کے درمیان میں ان سے مکمل اجتناب ہو اگر صرف نہ کھانے پینے سے روزہ رہا اور تقویٰ نہ پیدا ہوا تو ایک بے روح روزہ ہے جو صرف ڈھانچہ ہے اس میں روح نہیں ہے۔

(بشکریہ ماہنامہ رضوان۔ اگست ۱۹۷۸ء)

فکر ابوالحسن علی ندویؒ

مولانا علی میاںؒ کا فکری وعملی تنوع

اور اس کا پسِ منظر

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت گذشتہ صدی کی غیر معمولی اور مسلمانوں کی دینی وفکری رہنمائی کرنے والی شخصیت رہی ہے۔ ان کی عملی زندگی کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بر صغیر کی تاریخ کا دور دور ملا جو اس علاقہ کے فکری وسیاسی حالات میں اہم تغیر بلکہ انقلاب کا دور تھا، ان کی عمر کے ابتدائی تیس سال ملک میں سامراجی اقتدار سے گلوخلاصی کی اہم کوشش اور جدوجہد کے دور میں اور ۵۵ سال آزادی کے حصول کے بعد کے عہد میں گذرے۔ کسی بھی انسان کی زندگی کے تیس سال کا دور دنیا سے اچھی واقفیت حاصل کرنے میں گزرتا ہے اور اس دور کی تعلیم و تربیت سے اس کی ذہنی وعملی صلاحیتوں کی تعمیر وتشکیل ہوتی ہے، اسی مدت میں آدمی اپنی زندگی اور اپنے قرب وجوار کی زندگی کے چیلنجوں سے مقابلہ کی قابلیت حاصل کرتا ہے، مولانا کے لئے یہ مدت برصغیر کی تاریخ کے اس دور کی تھی جس میں ایک طرف خلافت تحریک کا زور و شور تھا جس کے ذریعہ مسلمانوں کی عالمی ملی مرکزیت (یعنی خلافت عثمانیہ) کے ٹوٹ جانے پر اظہار رنج کیا جارہا تھا، دوسری طرف سامراج کی چیرہ دستیوں کے خلاف علماء اور ملک کے اہل ہمت حضرات بھرپور احتجاج کررہے تھے، اسی دوران دوسری عالمی جنگ پیش آگئی جس نے دنیا کی سربراہ طاقتوں کا نقشہ بدل دیا اور بڑی بڑی سامراجی طاقتوں کو ایسے نقصان سے گزرنا پڑا کہ وہ اپنے زیر اقتدار ممالک کو آزادی دینے پر مجبور ہوئے، مولانا برصغیر کے ایک عظیم مؤرخ کے صاحبزادہ تھے لہٰذا اپنے گھر کی فضا کے اثر سے قوموں کے عروج و زوال اور اسلامی تاریخ کے نشیب وفراز کا مطالعہ ان کو دلچسپی سے کرنے کا موقع ملا، اسی کے ساتھ مولانا کو اپنی تعلیمی زندگی میں عربی زبان وادب کی اعلیٰ صلاحیت حاصل ہوئی اس کے ذریعہ مولانا کو عرب مفکرین و مؤرخین کی تحقیقات سے بھی اچھی واقفیت حاصل کرنے کا موقع ملا اور عالم عربی کے سیاسی ودعوتی حالات پر ان کی نظر پڑی اسی کے ساتھ ساتھ انگریزی زبان سے واقفیت کی بناء پر یورپ کی سیاسی، دعوتی اور اخلاقی تاریخ سے بھی واقفیت حاصل ہوئی اس طرح مولانا کو علمی و نظری لحاظ سے ایک جامع ومتنوع صلاحیت حاصل ہوئی، دوسری طرف اسلامی علوم میں دسترس حاصل کرنے، دیندار ماحول میں تربیت پانے کے اثر سے اس ملک کے ماضی قریب میں خود مولانا کے خاندانی اسلاف میں کے ایک اولوالعزم شخصیت کی کوشش سے جہاد و اعلاء کلمۃ اللہ کی جو تحریک چلی تھی اس کے واقعات و حالات کے علم سے مولانا میں جذبۂ عمل ودینی جدوجہد کا ذوق پیدا ہوا، ان سب اسباب ومؤثرات کی بناء پر مولانا رحمۃ اللہ علیہ اپنی عملی زندگی میں برصغیر و بلاد عربیہ کے بدلتے ہوئے حالات میں مختلف الجہات دعوتی وفکری کاموں کی طرف متوجہ ہوئے، انہوں نے اپنا میدان عمل سیاست کو تو نہیں بنایا لیکن اپنے ملک اور عالم اسلام میں ہونے والی سیاست کی کارفرمائیوں پر نظر رکھی جس کا اثر مسلمانوں کے حال ومستقبل پر پڑتا ہو، مولانا نے اپنے عمل کا اصل میدان فکری ودعوتی زندگی کو بنایا اور عہد جدید کے پر پیچ حالات میں مسلمانوں کے لئے جو راہ زیادہ سودمند سمجھتے تھے اس کی طرف توجہ کی اور اس سلسلہ میں اپنی کارکردگی کے لئے قلم وزبان دونوں کو استعمال کیا اور اسلام اور مسلمانوں کو عہد جدید میں جو جو چیلنج پیش آرہے تھے ان سب کو موضوع بنایا اور ان میں اپنی اعلیٰ بصیرت اور کامیاب رہنمائی سے ملت کو فائدہ پہنچایا اور خاص طور پر مسلمانوں کی نئی نسل کو مخاطب کیا اس میں سے صاحب علم افراد کے لئے اپنی تحریروں کو اور عام افراد امت کے لئے اپنی تقریروں کو ذریعہ بنایا اور دونوں طریقوں سے ایک جامع اور رہنما لٹریچر تیار کردیا، اس لٹریچر کے مطالعہ سے مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے فکری، دعوتی اور تربیتی پہلوؤں میں جن نقطۂ نظر اور راہ عمل کو پیش کیا ہے وہ واضح طور پر سامنے آتا ہے مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی علمی، فکری اور عملی کوششوں کا میدان اصلاً برصغیر کے اور عربی دنیا کے مسلمان تھے لیکن اس کے ساتھ ساتھ مولانا نے پوری اسلامی دنیا کو بھی سامنے رکھا اور اس کو بھی اپنی کوششوں کا موضوع بنایا۔ ☆☆☆

سیرت نبویؐ پر دو نئی تصنیفات:

☆ نقوش سیرت ﷺ

از

مولانا محمد رابع حسنی ندوی

(ناظم ندوۃ العلماء وصدر مسلم پرسنل لاء بورڈ)

حیات رسول پر دلآویز مضامین کا مجموعہ

صفحات/۱۸۸- قیمت -/60

ملنے کا پتہ:

مکتبہ حسنی، مولانا ابوالحسنی علی میموریل سینٹر

حیدرآباد

☆ آفتاب نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کی چند کرنیں: شمائل وخصائل ﷺ

از

مولانا عبداللہ عباس ندوی

(معتمد تعلیم، ندوۃ العلماء)

حضور اکرمؐ کا حلیہ وسراپا، عادات و معمولات اور مکارم اخلاق کی چند جھلکیاں

ملنے کا پتہ:

عرشی پبلی کیشنز انڈیا، ۱۱۶۸ مرحل سرائے، چوڑی والان دہلی-۶

تقویٰ کی حقیقت کیا ہے؟

مولانا عبداللہ عباس ندوی

تقویٰ کی حقیقت کیا ہے:

تقویٰ اصل میں وقوی ہے، عربی زبان میں اس کے لغوی معنی بچنے، پرہیز کرنے اور لحاظ کرنے کے ہیں، لیکن وحی محمدی کی اصطلاح میں یہ دل کی اس کیفیت کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہمیشہ حاضر وناظر ہونے کا یقین پیدا کرکے دل میں خیر وشر کی تمیز کی خلش اور خیر کی طرف رغبت اور شر سے نفرت پیدا کردیتی ہے، دوسرے لفظوں میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ وہ ضمیر کے اس احساس کا نام ہے جس کی بنا پر ہر کام میں خدا کے حکم کے مطابق عمل کرنے کی شدید رغبت اور اس کی مخالفت سے شدید نفرت پیدا ہوتی ہے، یہ بات کہ تقویٰ اصل میں دل کی اس کیفیت کا نام ہے، قرآن پاک کی اس آیت سے ظاہر ہے جو ارکان حج کے بیان کے موقع پر ہے:

وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ (الحج:۳۲)

''اور جو شعائر الٰہی کی تعظیم کرتے ہیں تو وہ دلوں کے تقویٰ سے ہے''

اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ تقویٰ کا اصلی تعلق دل سے ہے، اور وہ سلبی کیفیت (بچنا) کے بجائے ایجابی اور ثبوتی کیفیت اپنے اندر رکھتا ہے، وہ امور خیر کی طرف دلوں میں تحریک پیدا، اور شعائر الٰہی کی تعظیم سے ان کو معمور کرتا ہے، ایک اور آیت کریمہ میں ارشاد ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ط لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ (الحجرات:۳)

''بے شک جو لوگ رسول اللہ کے سامنے دبی آواز سے بولتے ہیں وہی ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے واسطے جانچا ہے، ان کو معافی ہے اور بڑا بدلہ۔''

اس آیت میں بھی تقویٰ کا مرکز دل ہی کو قرار دیا ہے اور بتایا ہے کہ رسول کی تعظیم کا احساس تقویٰ سے پیدا ہوتا ہے، ایک اور تیسری آیت میں تقویٰ کے فطری الہام ہونے کی طرف اشارہ ہے:

فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا (الشمس:۸)

''تو ہر نفس میں اس کا فجور اور اس کا تقویٰ الہام کردیا''

فجور تو ظاہر ہے کہ گنہگاری اور نافرمانی کی جڑ ہے، ٹھیک اسی طرح تقویٰ تمام نیکیوں کی بنیاد، اور اصل الاصول ہے اور دونوں بندہ کو فطرۃً ودیعت ہیں، اب بندہ اپنے عمل اور کوشش سے ایک کو چھوڑتا اور دوسرے کو اختیار کرتا ہے، مگر بہر حال یہ دونوں الہام ربانی ہیں، اور سب کو معلوم ہے کہ الہام کا ربانی مرکز دل ہے، اس لئے یہی تقویٰ کا مقام ہے۔

تقویٰ کا لفظ جس طرح اس دلی کیفیت پر بولا جاتا ہے، اس کیفیت کے اثر اور نتیجہ پر بھی اطلاق پاتا ہے، صحابہؓ نے کفار کے اشتعال دلانے اور ان سے بدلہ لینے پر پوری قوت رکھنے کے باوجود حدیبیہ کی صلح کو تسلیم کرلیا، تو اللہ تعالیٰ نے ان کی اس مستحسن روش کو تقویٰ فرمایا:

اِذْ جَعَلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا (الفتح:۲۶)

''اور جب کفار نے اپنے دلوں میں ہٹ دھرمی، نادانی کی ہٹ، تو اللہ نے اپنا چین اپنے رسول پر اور مسلمانوں پر اتارا، اور ان کو تقویٰ کی بات پر لگا رکھا، اور وہی تھے اس کے لائق اور اس کے اہل۔''

یہاں جنگ وخونریزی سے احتراز، خانہ کعبہ کے ادب، اور کفار قریش کی جاہلانہ عصبیت سے چشم پوشی کو تقویٰ سے تعبیر کیا گیا ہے، ایک اور دوسری آیت میں دشمنوں کے ساتھ ایفائے عہد اور حتی الامکان جنگ سے پرہیز کرنے والوں کو متقی یعنی تقویٰ والے فرمایا ہے، اور ان کے ساتھ اپنی محبت ظاہر فرمائی ہے:

فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ (التوبہ:۴)

''تو تم ان کے عہد کو ان کی مقررہ مدت تک پورا کرو، خدا تقویٰ والوں کو پیار کرتا ہے۔''

فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ (التوبہ:۷)

''تو وہ جب تک تم سے سیدھے رہیں، تم بھی ان کے ساتھ سیدھے رہو، خدا تقویٰ والوں کو پیار کرتا ہے۔''

جس طرح انسان کا فجور، بری تعلیم، بری صحبت اور برے کاموں کی مشق اور کثرت سے بڑھتا جاتا ہے اس طرح اچھے کاموں کے شوق اور عمل سے نیکی کا ذوق بھی پرورش پاتا ہے اور اس کی قلبی کیفیت میں ترقی ہوتی ہے:

وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰهُمْ تَقْوٰهُمْ (محمد:۱۷)

''جو لوگ راہ پر آئے خدا نے ان کی سوجھ اور بڑھائی، اور ان کو ان کا تقویٰ عنایت کیا۔''

اس سے معلوم ہے کہ ''تقویٰ'' ایک ایجابی اور ثبوتی کیفیت ہے، جو انسان کو خدا عنایت فرماتا ہے اور جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ اس کو ہدایت پر ہدایت اور فطری تقویٰ پر مزید دولت تقویٰ مرحمت ہوتی ہے۔

تقویٰ کی یہ حقیقت کہ وہ دل کی خاص کیفیت کا نام ہے، ایک صحیح حدیث سے تصریحاً معلوم ہوتی ہے، صحابہ کے مجمع میں ارشاد فرمایا:

التقوی ھھنا (مسلم)

"تقویٰ یہاں ہے۔"

اور یہ کہہ کر دل کی طرف اشارہ فرمایا، جس سے بے شک وشبہ یہ واضح ہو جاتا ہے کہ تقویٰ دل کی پاکیزہ ترین اور اعلیٰ ترین کیفیت کا نام ہے، جو تمام نیکیوں کی محرک ہے، اور وہی مذہب کی جان اور دینداری کی روح ہے، اور یہی سبب ہے کہ وہ قرآن پاک کی رہنمائی کی غایت، ساری ربانی عبادتوں کا مقصد، اور تمام اخلاقی تعلیموں کا ماحصل قرار پایا۔

اسلام میں برتری کا معیار:

اسلام میں تقویٰ کو جو اہمیت حاصل ہے اس کا اثر یہ ہے کہ تعلیم محمدی نے نسل، رنگ، وطن، خاندان، دولت حسب، نسب، غرض نوع انسانی کے ان صدہا خود ساختہ اعزازی مرتبوں کو مٹا کر صرف ایک ہی امتیازی معیار قائم کر دیا، جس کا نام تقویٰ ہے اور جو ساری نیکیوں کی جان ہے، اور اس لئے وہی معیاری امتیاز بننے کے لائق ہے، چنانچہ قرآن پاک نے بآواز بلند یہ اعلان کیا۔

جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ

(الحجرات:۱۳)

"ہم نے تم کو مختلف خاندان اور قبیلے صرف اس لئے بنایا کہ باہم شناخت ہو سکے، تم میں سے خدا کے نزدیک سب سے معزز وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ تقویٰ والا ہے"۔

اس اعلان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو مختصر لفظوں میں ادا فرمایا کہ الکرم التقویٰ یعنی بزرگی و شرافت تقویٰ کا نام ہے اور اسی کے لئے حجۃ الوداع کے اعلان عام میں پکار کر فرمایا کہ عرب کو عجم پر اور کالے کو گورے پر کوئی برتری نہیں، برتر وہ ہے جس میں سب سے زیادہ تقویٰ ہے"

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی نے لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ کا ترجمہ آیات کے سیاق وسباق اور قرآن کریم کی روح کو سامنے رکھتے ہوئے الفاظ بدل بدل کر کیا ہے، مثلاً:

"يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ (البقرہ:۲۱)

"اے لوگو عبادت اختیار کرو اپنے پروردگار کی جس نے تم کو پیدا کیا اور ان لوگوں کو بھی جو تم سے پہلے گذر چکے ہیں، عجب نہیں کہ تم دوزخ سے بچ جاؤ۔"

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ط خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝

(البقرہ:۶۳)

"اور جب ہم نے تم سے قول وقرار لیا (کہ تورات پر عمل کریں گے) اور ہم نے طور پہاڑ کو اٹھا کر تمہارے اوپر (محاذات میں) معلق کر دیا کہ (جلدی) قبول کرو جو کتاب ہم نے تم کو دی ہے مضبوطی کے ساتھ اور یاد رکھو جو (احکام) اس میں ہیں جس سے توقع ہے کہ تم متقی بن جاؤ۔"

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ (البقرہ:۱۷۹)

"اور اے فہیم لوگو! (اس قانون) قصاص میں تمہاری جان کا بڑا بچاؤ ہے (ہم امید کرتے ہیں) کہ تم لوگ (ایسے قانون امن کی خلاف ورزی کرنے سے) پرہیز رکھو گے۔"

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝

(البقرہ:۱۸۷)

"یہ خداوندی ضابطے ہیں سو ان (سے نکلنے) کے نزدیک بھی مت ہو، اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے (اور) احکام بھی لوگوں کی اصلاح کے واسطے بیان فرمایا کرتے ہیں اسی امید پر کہ وہ لوگ پرہیز رکھیں۔"

وَمَا عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّلٰكِنْ ذِكْرٰى لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝

(الانعام:۶۹)

"اور جو لوگ احتیاط رکھتے ہیں ان پر اس کی باز پرس کا کوئی اثر نہ پہنچے گا لیکن ان کے ذمہ نصیحت کر دینا ہے شاید وہ بھی احتیاط کرنے لگیں۔"

تعمیر حیات کی فائل سے

حضرت مولانا الیاس صاحبؒ کے ساتھ ایک مبارک سفر

مولانا سید محمد ثانی حسنیؒ

رجب ۶۲ھ کی کوئی تاریخ تھی اور جمعہ کا مبارک دن تھا، لکھنؤ میں قبر ماموں بھانجہ کی وسیع مسجد میں ایک تبلیغی اجتماع تھا جس میں حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر تھی، یہ زمانہ وہ تھا جب حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ ایک ہفتہ سے دارالعلوم ندوۃ العلماء کے مہمان خانہ میں مقیم تھے اور آپ کے ہمراہ حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ شیخ الحدیث، دہلی کے مشہور بزرگ حافظ فخر الدین صاحب، حضرت مولانا سید سلیمان صاحب ندوی، مولانا احتشام الحسن صاحب، مولانا عبدالحق صاحب مدنی اور مولانا زبیر احمد صاحب اور تقریباً ۳۰، ۴۰ رافراد دہلی کے تجار جو حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے معتمد علیہ اور آزمودہ کار تبلیغی کام کرنے والے میواتی تھے، حافظ مقبول احمد صاحب کی امارت میں دارالعلوم ندوۃ العلماء کی وسیع اور کشادہ مسجد میں ہمہ وقت ذکر و تعلیم اور شام کو لکھنؤ کے مختلف محلوں میں گشت اور اجتماع کرتے رہتے تھے۔

الغرض قبر ماموں بھانجے کی مسجد میں تل رکھنے کی جگہ نہ تھی، ہر شخص ہمہ تن اشتیاق بنا تھا نماز جمعہ ہو چکی تھی مسجد کے درمیان وسیع در میں جو صحن سے ملا تھا حضرت مولانا کی تقریر ہوئی، مولانا محمد منظور صاحب نعمانی کی تعارفی تقریر ہوئی، تقریروں کے بعد کانپور چلنے کی دعوت دی گئی۔ جیسا کہ عام قاعدہ ہے کہ لوگ تقریر کو تو بہت اشتیاق سے سنتے ہیں لیکن جب عملی پروگرام سامنے آتا ہے اور وقت دینے کا سوال پیدا ہوتا ہے تو سامعین اٹھنے لگتے ہیں، یہاں بھی ایسا ہوا، حضرت مولانا کھڑے ہو گئے اور لوگوں کا کانپور چلنے پر آمادہ کرنے لگے حضرت کی بے کلی اور بے چینی حد سے بڑھی ہوئی تھی، میں سامنے ہی قریب مجمع میں بیٹھا ہوا تھا، مولانا نے مجھ کو اٹھنے کا حکم دیا میں گھبرا کر کھڑا ہو گیا فرمایا خاموش کیوں بیٹھے ہو، آس پاس کے لوگوں کو چلنے پر آمادہ کرو، لوگ اس دعوت کے عادی نہ تھے، دروازوں سے نکلنے لگے، حضرت مولانا بیتاب ہو گئے اور دروازے بند کر دیئے اور ادھر ادھر چلنے لگے، جو سامنے ملتا اس کو کان پور چلنے کی دعوت دیتے۔

اتفاق سے ایک معمر بزرگ جن کا نام حاجی ولی محمد تھا کھڑے تھے، ایک مسکین صورت اور غریب حال تھے حضرت مولانا نے ان سے بھی فرمایا کانپور چلئے وہ اس سے پہلے کام میں پوری طرح نہیں لگے تھے، کہنے لگے مولانا میں بواسیر کے مرض میں مبتلا ہوں چلنے پھرنے سے قاصر ہوں اور تکلیف سے مر رہا ہوں، حضرت مولانا نے ایک عجیب انداز اور پرسوز لہجہ میں فرمایا "مرنا ہے تو خدا کی راہ میں مرو"

یہ جملہ حاجی صاحب کے دل میں تیر کی طرح لگا، اور خدا کی راہ میں مرنے کو تیار ہو گئے اور کفن بردوش جماعت کے ساتھ ہو لئے لکھنؤ سے قریباً دس بارہ حضرات تیار ہو گئے۔

دوسرے دن سنیچر سے کسی گاڑی سے جماعت روانہ ہوئی، یہ جماعت کیا تھی ایک کاروان یقین تھا جو پہلی بار صرف اس لئے باہر جا رہا تھا کہ خدا کا نام بلند ہو، اس کو نہ تو کانپور سے سودا لینا تھا نہ خرید و فروخت کرنی تھی نہ عزیز و اقارب سے ملنا تھا، اس جماعت میں تاجر بھی تھے جو اپنی دو کانیں بند کر کے جا رہے تھے، ملازم بھی تھے جو چھٹیاں لے کر جا رہے تھے، علماء بھی تھے جو درس و تدریس دو دن کے لئے ملتوی کر کے جا رہے تھے، ان پڑھ بھی تھے (جو حضرت مولانا کی پر اثر اور درد و سوز میں ڈوبی زبان سے یہ سن کر کہ اللہ کی راہ میں نکلنا دنیا کی ہر نعمت سے بڑھ کر ہے) گھر بار اور آرام و راحت کو چھوڑ کر ساتھ ہو لئے تھے۔

اس مبارک سفر کی لذت بیان نہیں کی جا سکتی مجھ کو جہاں تک یاد پڑتا ہے یہ میرا پہلا تبلیغی سفر تھا مخلصین و محبین کا ساتھ، جو ایک دوسرے پر جان چھڑکنے والے اور سراپا ایثار و قربانی تھے اور سب سے بڑھ کر حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے زیر سایہ یہ سفر ہو رہا تھا، یہ نعمت اپنی جگہ ایسی تھی کہ بعد میں آنے والے حضرات اس کی قدر و قیمت سمجھ سکتے ہیں اور جواب لاکھوں روپے اور حکومت تک قربان کر دینے سے حاصل نہیں ہو سکتی میں اپنی خوبیٔ قسمت پر جتنا بھی نازاں ہوں کم ہے۔

غرض کہ محبت الٰہی اور عشق خداوندی سے سرشار یہ قافلہ کانپور پہونچا اور فیض عام کانپور میں اس کا قیام ہوا جس کمرہ میں جماعت کا قیام تھا، وہ کوٹھے پر تھا تقریباً ۲۰۔۲۵ زینے فاصلہ طے کرنے کے لئے درمیان میں پڑتے تھے اور بالکل سیدھے اور کھڑے، جہاں تک حافظہ کام کرتا ہے اس جماعت کے امیر میوات کے ایک بزرگ میاں عبدالرحمٰن تھے جو لوگ جماعتوں میں نکل چکے ہیں وہ اس راہ کے سفر کی لذت خوب جانتے ہیں جماعت کے سارے ارکان کام میں ایک دوسرے کا ہاتھ بٹاتے ہیں ان میں نہ کوئی چھوٹا ہوتا تھا نہ بڑا، اپنے کھانے کا انتظام خود کرتے ہیں، یہ جماعت بھی اپنے کاموں میں مشغول ہو گئی، وہی ذکر و تعلیم، باہمی خدمت اور گشت و اجتماع کانپور میں دو دن کا قیام رہا۔

حاجی ولی احمد جن کا ذکر اوپر گزر چکا ہے، وہی جن کو بواسیر کی اتنی زیادہ شکایت تھی کہ ایک زینہ چڑھنا مشکل تھا، اب ۲۰۔۲۵ زینے والی سیڑھی پر صبح و شام چڑھ اور اتر رہے تھے، میں نے پوچھا حاجی صاحب کیا حال ہے، ہنس کر فرمایا ثانی صاحب! کیا بتاؤں لکھنؤ میں جب بھی کسی زینے پر چڑھنا ہوتا تھا تو جان نکل جاتی تھی اور بے حال ہو جاتا تھا، میں نے حضرت مولانا کے اصرار پر نام لکھا دیا اور خدا کے نام پر نکل پڑا مگر یہ سوچتا رہتا تھا کہ کہیں جماعت پر بار نہ بن جاؤں لیکن خدائے

ایسی شفادی کہ اب ایک بار نہیں کئی کئی بار ایک زینہ نہیں ۲۰۔۲۵ زینے چڑھتا ہوں اور اترتا ہوں اور تکلیف کا احساس تک نہیں ہوتا، یہ مولانا کی کرامت ہے یا خدا کے دین کی برکت ہے، حاجی صاحب اپنی کمزوری اور طبعی نقاہت اور کہنہ سالی کے باوجود چاق وچوبند نظر آرہے تھے اور کہہ رہے تھے اس مبارک سفر نے اور حضرت مولانا کی دعا نے ایک نئی روح پھونک دی اب میں عہد کرتا ہوں کہ جب تک زندگی ہے یہی کام کروں گا، اور پھر یہی ہوا اس کام میں اپنی زندگی لگادی اور آخر دم تک یہی مبارک کام کرتے رہے اور اسی راہ میں وطن سے دور اپنی جان دی، اللہ تعالیٰ حاجی صاحب کی بال بال مغفرت فرمائے۔

کانپور دو روزہ قیام میں ایک دن حلیم کالج میں ایک خصوصی اجتماع ہوا اس اجتماع میں کالج کا اسٹاف اور طلبہ ہال میں جمع ہوئے بلند جگہ پر کالج کے پرنسپل جناب عبدالشکور صاحب چند اساتذہ اور اسٹاف، حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ، حضرت مولانا سید سلیمان ندوی اور قریب ہی میرے برادر مکرم مولانا سید ابوبکر صاحب حسنی جو اس وقت مسلم حلیم کالج کے استاذ تھے، کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے، حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ چونکہ لکھنؤ اور کانپور کے سفر کے درمیان صرف ایک شب کے لئے مولانا سید ابوالحسن علی صاحب کے ہمراہ میرے وطن ٹکیہ کلاں رائے بریلی تشریف لے گئے تھے اور وہاں حضرت سید احمد شہیدؒ کے خاندان کے افراد کے سامنے ایک پرتاثیر تقریر فرمائی تھی، اور ارشاد فرمایا تھا دین کا کام اگر سادات نہیں کریں گے تو اس کو وہ ترقی نہ ہوگی جو ان کے کرنے سے ہوتی اگر سادات دین کو چھوڑ کر کوئی دوسرا کام کریں گے تو ان کو وہ حقیقی چین نصیب نہ ہوگا جو اپنا فطری کام کرنے میں ہوتا ہے۔

مولانا سید ابوبکر صاحب حسنی بھی اسی خانوادہ سے تعلق رکھتے ہیں اس لئے حضرت مولانا نے تعارف کے بعد ان کے کاندھوں یا سر پر اپنا مبارک ہاتھ رکھ کر فرمایا سید صاحب! یہ مبارک کام آپ حضرات کے کرنے کا ہے سادات ہی اس کے حق دار ہیں۔

اس اجتماع میں حضرت سید سلیمان صاحب ندوی کی تقریر ہوئی اور بڑی برجستہ اور شستہ تقریر فرمائی، ادھر سید صاحب علیہ الرحمہ کی تقریر اپنے شباب پر تھی ادھر حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کی بے کلی اور بے تابی بھی اپنے عروج پر تھی وہ بار بار حضرت سید صاحب کو لقمہ دیتے اور اپنی بات کہہ دیتے، حضرت سید صاحب فوراً خاموش ہوجاتے اور بڑے ادب سے حضرت مولانا کے کلام کو سنتے اور دہرادیتے، ممکن ہے بعض لوگوں کو یہ احساس ہو کہ جب ایک تقریر ہورہی ہو تو بیچ میں لقمہ دینا اور اپنی بات کہنا کہاں روا ہے جو لوگ حضرت مولانا کی بے چینی، بے کلی اور سیمابی کیفیت کو جانتے ہیں وہ اس کا جواب خود معلوم کرسکتے ہیں جس شخص کی بیتابی اور بیقراری کا حال یہ ہو وہ کیسے ایک حالت پر رہ سکتا ہے۔

جب حضرت مولانا کا بیان ہوا تو مجمع آبدیدہ تھا، حضرت مولانا کی زبان میں لکنت تھی اپنی بات سمجھا نہیں سکتے تھے، ایک نحیف الجثہ انسان، زبان لکنت زدہ، الفاظ صاف نہیں لیکن ہر شخص ہمہ تن گوش تھا اور حضرت مولانا سید سلیمان صاحب ندوی کا حال سب سے جدا تھا سر جھکائے ہوئے تھے ہاتھوں میں رومال اور آنکھیں اشکبار تھیں، جسم پورا متحرک تھا بار بار آنسو پونچھتے تھے یہ کیفیت آخر تک رہی اس سفر کے بعد حضرت سید صاحبؒ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ سے بہت زیادہ قریب ہوگئے اور بڑے اچھے الفاظ میں تذکرہ فرماتے۔

دوسرے دن بساطی بازار کی خوبصورت مسجد میں قیام ہوا، حضرت مولانا کا قیام بالائی حصہ کے ایک کشادہ کمرہ میں تھا ہمراہی میں بعض دوسرے علماء تھے باقی جماعت کا قیام نیچے ایک دالان میں تھا، اس دن ایک عجیب واقعہ پیش آیا جو یقیناً حضرت مولانا کے کشف وکرامت کا نتیجہ تھا، خال مکرم حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی وجہ سے مجھ پر شفقت فرماتے تھے، میں جماعت کے ساتھ ٹھہرا تھا، دوپہر کا وقت تھا اس وقت نہ معلوم کیا بات تھی جواب یاد نہیں رہا، امیر جماعت نے کھانے میں بجائے روٹی اور گوشت وغیرہ کے ہر فرد کو ایک ایک آم اور روٹی دی کہ مل کر سب لوگ کھاؤ میں اس نئے کھانے کا بالکل عادی نہ تھا، میں نے روکھا آم کھالیا اور ایک طرف کھڑا ہوگیا، تھوڑی ہی دیر میں ایک صاحب آئے اور مجھ کو دریافت کرتے کرتے مجھ تک پہونچے اور کہا کہ حضرت یاد کررہے ہیں، میں گھبرا کر اوپر پہونچا، مسکرا کر فرمایا تم میرے پاس آؤ، شفقت سے پاس بٹھایا اور فرمایا لو کھاؤ اس وقت کان پور کے خواص جمع تھے منشی محمد سعید صاحب کانپوری بھی تھے، ان کے علاوہ مجھ کو یاد نہیں کہ اور کون کون تھا؟

شام کو بعد عصر مسجد میں اجتماع ہوا۔ اور مظاہر العلوم کے مدرس مولانا امیر احمد صاحب کاندھلوی کی تقریر ہوئی، افسوس ہے کہ مولانا امیر احمد صاحب کا بھی ذوالحجہ کے مہینہ میں انتقال ہوگیا، حضرت مولانا قریب ہی بیٹھے تھے، مولانا امیر احمد صاحب نے تقریر شروع کی، ابھی چند ہی الفاظ کہے تھے کہ حضرت مولانا کھڑے ہوئے اور فرمایا مولوی امیر احمد ٹھہرو اور اپنی بات کہنے لگے، پھر فرمایا اچھا اپنی بات کہو، مولانا امیر احمد صاحب تقریر کرنے لگے ذرا دیر بعد پھر حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کھڑے ہوگئے اور روک کر اپنی بات کہنے لگے، کئی بار ایسا ہوا آخر میں مسکرا کر فرمایا اچھا میں اب نہ بولوں گا تم ہی کہو۔

یہی بے کلی تھی، حضرت مولانا کی جو ہر وقت رہتی تھی اور باوجود لکنت وعدم قدرت کے دیر تک لوگوں کی اکتاہٹ سے صرف نظر کرکے حضرت مولانا کو کھڑا کردیتی تھی اور کسی پہلو قرار وسکون نصیب نہ ہوتا۔

اس دو روزہ قیام نے نہ معلوم کتنے دلوں کی دنیا بدل دی ہے، کتنوں کو یقین بخشا اور ایمان سے لذت یاب کیا، اس سفر کے بعد حضرت مولانا جلد ہی رخصت ہوگئے لیکن اس سفر کی لذت وتاثیر ابھی تک تازہ ہے۔

❁❁❁

دینی تعلیمی کونسل کی تحریک عصر حاضر کی اہم ضرورت

بنیادی ارکان کے جلسہ میں مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کی تقریر

مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی اور پروفیسر نفیس احمد نائب صدر، ڈاکٹر مسعود الحسن عثمانی جنرل سکریٹری مقرر

لکھنو ۲۸ ستمبر، دینی تعلیمی کونسل کے صدر مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے دارالعلوم ندوۃ العلماء کے مہتمم مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی اور مسلم یونیورسٹی کے سینیئر اور موجودہ پروفیسر نفیس احمد کو نائب صدر اور ڈاکٹر مسعود الحسن عثمانی کو دینی تعلیمی کونسل کا جنرل سکریٹری نامزد کیا ہے۔ یہ حضرات ابھی تک کونسل کے سیکریٹری تھے۔ مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی کو خازن بھی بنایا گیا ہے۔ وہ اپنی بے پناہ علمی اور دینی مصروفیات اور بین الاقوامی شہرت کے باوجود گذشتہ چوتھائی صدی سے دینی تعلیمی کونسل کی تحریک سے وابستہ رہے ہیں اور اپنی تقریر وتحریر کے ذریعہ سے اس کی افادیت اور اہمیت بیان کرکے مسلمانوں کو اس پر آمادہ کرنے کی مہم میں شریک رہے ہیں۔

پروفیسر نفیس احمد اقلیتی تعلیمی اداروں کی ریاستی ایسوسی ایشن کے بھی نائب صدر ہیں۔ عصری تعلیمی اداروں کے مسائل پر غور وفکر اور لائحہ عمل کے لئے دینی تعلیمی کونسل ہی نے یہ تنظیم قائم کی تھی جو اس وقت پوری طرح سرگرم ہے۔

ڈاکٹر مسعود الحسن عثمانی کو بیس برس قبل مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے صدر کونسل کی حیثیت سے مجلس عاملہ کا رکن اور سیکریٹری نامزد کیا تھا، وہ ڈاکٹر عثمانی کو بہت عزیز رکھتے تھے، اور انھیں دینی تعلیمی کونسل کا بہترین ترجمان قرار دیتے تھے، ڈاکٹر محمد اشتیاق حسین قریشی مرحوم نے جنرل سیکریٹری کی حیثیت سے ۱۹۹۲ء میں اپنے اختیارات بھی ڈاکٹر عثمانی کو تفویض کردئے تھے، وہ دینی تعلیمی کونسل کے بانی قاضی محمد عدیل عباسی مرحوم کے بھانجے اور تحریک کے روح رواں مولانا محمود الحسن کے بیٹے ہیں اور اس طرح ملی مسائل سے دلچسپی اور فکر انہیں وراثت میں ملی ہے، وہ اس وقت ممتاز پوسٹ گریجویٹ ڈگری کالج لکھنؤ میں شعبۂ اردو کے صدر ہیں اور دینی وعلمی حلقوں میں معروف ہیں۔

مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے دینی تعلیمی کونسل کی تشکیل جدید کے تحت اپنے دستوری اختیارات خصوصی سے آئندہ تین برسوں کی میقات کے لئے سات معزز دینی اور علمی شخصیتوں کو دینی تعلیمی کونسل کا رکن نامزد کیا جن میں دارالعلوم دیوبند کے مہتمم مولانا مرغوب الرحمن صاحب، دارالعلوم وقف کے مہتمم مولانا محمد سالم قاسمی صاحب، مظاہر العلوم کے مولانا محمد سلمان صاحب، مسلم یونیورسٹی علی گڈھ میں شعبۂ دینیات کے صدر مولانا مسعود عالم قاسمی، جامعہ سلفیہ بنارس کے مولانا مقتدیٰ حسن ازہری، دارالمصنفین اعظم گڈھ کے ناظم مولانا ضیاء الدین اصلاحی اور ندوۃ العلماء کے معتمد مالیات پروفیسر وصی احمد صدیقی شامل ہیں۔

دینی تعلیمی کونسل کے بنیادی ممبران کے جلسہ میں جو ندوۃ العلماء کے مہمان خانہ میں مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کی صدارت میں آج منعقد ہوا، اور نئے ممبران کا انتخاب کرکے کونسل کی تشکیل جدید مکمل کی گئی۔

لکھنؤ ۲۹ ستمبر" گذشتہ چالیس برس قبل جن حالات کی بنا پر دینی تعلیمی کونسل کا قیام عمل میں آیا تھا اور اس تحریک کا آغاز ہوا تھا اسی طرح کی صورت حال اپنی نئی معنویت کے لحاظ سے ہمارے سامنے موجود ہے بلکہ نئے حالات میں اس تنظیم وتحریک کی ضرورت واہمیت اور مسلمانوں کے لئے اس کی افادیت پہلے سے زیادہ محسوس ہورہی ہے۔"

ان خیالات کا اظہار دینی تعلیمی کونسل کے صدر مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے بنیادی ارکان کے اس جلسہ میں کیا جو انہیں کی صدارت میں دارالعلوم ندوۃ العلماء کے مہمان خانہ میں منعقد ہوا تھا۔

مولانا نے کہا کہ اس خاموش اور منظم تحریک نے ایک انقلاب برپا کیا اور ہماری نسل نو کا دین وعقیدہ اور اس کی زبان ومعاشرت محفوظ ہوگئی، ان تمام قدروں کی حفاظت کا مسئلہ آج بھی درپیش ہے اس لئے اس تحریک کو بھی زیادہ فعال ومتحرک اور اضلاع میں اس کے نظام کو زیادہ مضبوط ومنظم کرنے کی ضرورت ہے یہ مسلمانوں کی دینی ذمہ داری ہے۔

مولانا شفیع مونس صاحب نے جو اپنی بیماری کے باوجود اس جلسہ میں شریک ہوئے، اپنی مختصر تقریر میں دینی تعلیمی کونسل کی خدمات کا ذکر کیا، مولانا محمد رفیق قاسمی نے اسلامی معاشرہ پر زور دیا، مسلک اہل حدیث کے معزز عالم دین مولانا عبدالرحمن مبارک پوری نے مدارس ومکاتب کے قیام کی اہمیت بیان کی اور دینی تعلیمی کونسل سے اپنے قدیم ربط وتعلق کا ذکر کیا، بنگلور سے آئے مہمان جناب محمد رفیق صاحب نے جو وہاں تعلیمی کاموں میں سرگرم ہیں، ریاست کرناٹک میں مسلمانوں کی تعلیمی جدوجہد کا تفصیلی ذکر کیا، اور خاص طور پر اس کا اظہار کیا کہ دینی اور عصری تعلیمی اداروں کے الگ الگ قیام کے علاوہ ایسے ادارے بھی قائم کئے جارہے ہیں جہاں عصری اور دینی تعلیم کا خوشگوار امتزاج نظر آتا ہے، انہوں نے بتایا کہ دینی تعلیمی کونسل کا نظام تعلیم بہت کشش کا باعث اور فکر کا حامل ہے، مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی نے مکاتب کے قیام کی اہمیت، دینی تعلیمی کونسل کی طویل خدمات اور موجودہ حالات کے پس منظر میں مسلمانوں کی ذمہ داریوں کا احساس دلاتے ہوئے گھروں میں دینی اور

بقیہ صفحہ ۲۲ پر

بہتر مستقبل کے لئے حال پر نظر رکھنا ضروری

معہد الفردوس الرحمانی کے جلسہ میں حضرت ناظم ندوۃ العلماء کی تقریر

مسلمان اس ملک میں آئے، اپنے اخلاق و کردار سے یہاں بسنے والوں پر اثر ڈالا، اور مسلمانوں کے اخلاق و کردار کو دیکھ کر یہاں کے باشندے اسلام سے متعارف ہونا شروع ہوئے، اور پھر انہوں نے اسلام کو گلے لگایا۔

مسلمانوں نے ۵۰۰-۶۰۰ سال علم کے میدان میں ترقی کی بعد میں غفلت برتی شروع ہوگئی، اور مغربی دنیا نے اس کی طرف توجہ کی نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کو زوال آنے لگا اور مغربی دنیا علم کے شوق کی وجہ سے ترقی کرنے لگی، اس طرح دنیا مغربی ممالک اور مشرقی ممالک میں بٹ گئی، مغربی قوموں کے حالات کا صحیح علم مشرق والوں کو بعد مسافت کی وجہ سے نہ ہوسکا لیکن مغربی قوموں نے علم کی وجہ سے جو ترقی کی اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ تجارت کے راستہ مشرقی ممالک کا رخ کرنے لگے، اور یہ کہ وہ تجارت کے راستہ سے سیاست کا کام لینے لگے، چنانچہ سات سمندر پار رہنے والے جن کا مذہب کلچر سب الگ مگر دھیرے دھیرے یہاں کے ممالک کو اپنے قبضہ میں لینے لگے، اور اس ملک ہندوستان کو انہوں نے خالص نشانہ بنایا، اور یہاں کی دولت سے فائدہ اٹھایا، یہ ملک جو دولت اگل رہا ہے یہ سب باہر جارہی تھی۔ ملک وملت کی فکر رکھنے والوں نے اس کی توجہ دلائی اور آزادی کا جذبہ پیدا کیا، بیداری پیدا کی، اس کے نتیجہ میں ان کی طاقت کمزور ہونے لگی لیکن جب انہوں نے اپنے کو بے بس محسوس کیا تو انہوں نے یہ کیا کہ ملک کو اقتصادی و معاشی طور پر کمزور کیا، اور یہاں کے رہنے والوں میں تفرقہ ڈالا اور تقسیم کے وقت بھی اس کا خیال کیا، یہ کہ ملک متحدہ (یونائٹڈ) نہ رہنے پائے، اور آزاد ہونے کے بعد بھی فکری طور پر غلام رہے، جس کے اثرات آج آزاد ہونے کے بعد بھی محسوس کئے جارہے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں ہم اپنے اسلاف کی قربانیوں کی جو انہوں نے مغربی استعمار کے خلاف کیں ہم بغیر قربانی کے فائدہ اٹھارہے ہیں، یہ ایک حقیقت ہے کہ ایک نسل کی کوشش اور حکمت و تدبیر کا فائدہ اگلی نسل اٹھاتی ہے اور ایک نسل کی غلطیوں کا خمیازہ اس کے بعد کی نسل بھگتتی ہے، اس لئے ہماری بڑی ذمہ داری ہے کہ ہم تو اپنے بزرگوں کی شہادت و قربانی کوشش کا فائدہ اٹھارہے ہیں ایسا نہ ہو کہ ہماری غلطی کا نقصان بعد میں آنے والے اٹھائیں، اس لئے مستقبل بہتر بنانے کے لئے حال پر نظر رکھنی ہوگی۔

ان باتوں کی طرف ناظم ندوۃ العلماء مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے اس وقت توجہ دلائی جب وہ معہد الفردوس الرحمانی رنگ روڈ دوبگا لکھنؤ میں تقسیم انعامات کے ایک جلسہ میں جو بانی معہد مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء کے زیر صدارت منعقد ہوا تشریف لے گئے۔ اور اس پروگرام میں طلبائے معہد کی زبانی آزادیٔ وطن کی زریں تاریخ دہرائی گئی تھی، مولانا مدظلہ کی فکر انگریز تقریر کے بعد حضرت مہتمم صاحب دارالعلوم نے خود کچھ کہنے سے یہ فرما کر معذرت کی کہ حضرت والا نے ہماری درخواست قبول فرما کر تشریف لائے اور اپنے قیمتی کلمات سے سرفراز کیا، ہم اس پر اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں۔ حضرت مولانا مدظلہ کی اس فکر انگیز تقریر کے بعد مزید کسی تقریر کی کوئی ضرورت نہیں باقی رہ جاتی۔

❁❁❁

اے مرے ماہِ صیام

تو جہانِ آگہی
تو وقارِ بندگی
تو شعارِ زندگی
روشنی ہی روشنی
ہر طرف پھیلی ہوئی
اے مرے ماہِ صیام
اے مرے ماہِ صیام
کیا مزاجِ صبح و شام
کیسا پاکیزہ نظام
ایک جیسے خاص و عام
خلوتوں کا اہتمام
جلوتوں کا انتظام
اے مرے ماہِ صیام
اے مرے ماہِ صیام
تو کہ معیارِ حیات
تو کہ کردارِ حیات
تو کہ اظہارِ حیات
تو کہ انوارِ حیات
تو کہ معمارِ حیات
اے مرے ماہِ صیام
اے مرے ماہِ صیام
تیری ساری ساعتیں
جن سے کیا کیا نسبتیں
جن سے کیا کیا قربتیں
نعمتیں ہی نعمتیں
رحمتیں ہی رحمتیں
اے مرے ماہِ صیام
اے مرے ماہِ صیام
تزکیۂ نفس کا
لے کے پیغامِ بقا
ساتھ اپنے آگیا
روح کو چمکا گیا
ہر نفس کو دے اٹھا
اے مرے ماہِ صیام
اے مرے ماہِ صیام

رباب رشیدی

تعارف وتبصرہ

طلبائے دارالعلوم ندوۃ العلماء کا سالانہ میگزین

''الاصلاح'' ـــــ معلومات کی ایک کہکشاں

امین الدین شجاع الدین

طلبائے دارالعلوم ندوۃ العلماء کا سالانہ میگزین ''الاصلاح'' میرے پیش نظر ہے۔ ادھر چند برسوں سے ادارت کا گنہ گار ہوں اس لئے ڈھیر سارے اخبارات اور رسائل و جرائد نظروں سے گذرتے رہتے ہیں، لیکن اپنے طلباء کی اس نوعیت کی پہلی کاوش کو زیور طبع سے آراستہ ہونے کے بعد جو دیکھا تو بس دیکھتا ہی رہ گیا! ـــــ شاید نہیں بلکہ یقیناً اس لئے کہ یہ کاوش اور کوشش میرے اپنوں کی ہے ـــــ باپ اور معلم یہ ایسے وجود ہوتے ہیں جو اپنے بیٹوں یا اپنے شاگردوں کو بامقصد کام کرتا دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ بس وہ آگے بڑھتے جائیں ـــــ بڑھتے جائیں ـــــ آگے ـــــ بہت آگے ـــــ اور خود ان سے بھی آگے نکل جائیں!!!

الاصلاح میگزین کے ٹائٹل کی زمین ہے ندوہ کی مرکزی عمارت کی تصویر ـــــ اور پھر اس پر اپنی آن بان دکھاتی ندوہ میں موجود عمارتوں کی رنگین تصویریں ـــــ گویا پہلی ہی نظر میں دیکھنے والے کے ذہن کے پردہ پر ندوہ کے پورے احاطہ کا تصور ابھر آئے ـــــ ''طائرانہ نظر'' شاید اسے ہی کہتے ہیں! ٹائٹل کے آخری صفحہ کو دیکھئے تو حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ کی آج سے تقریباً سو برس پہلے کی عبارت کہ ندوہ کا کام حالات سے باخبر علماء کو تیار کرنا ہے۔ ٹائٹل پر ندوہ کی تصاویر گویا جسم اور مونگیریؒ کی عبارت گویا روح ـــــ داد دیتا ہوں اپنے باذوق طلباء کی کہ انہوں نے یہ عبارت دے کر جسم کے ساتھ روح کا بھی رشتہ استوار رکھا ورنہ رہی عمارتیں اور ان کے بام و در ـــــ تو وہ دنیا میں ایک سے بڑھ کر ایک ہیں اور ان میں سے بعض تو زبان حال سے ''عقابوں کے نشیمن پہ زاغوں کا تصرف'' کی تصویر پیش کررہی ہیں، الامان والحفیظ!!

دیدہ زیب ٹائٹل آتش شوق کو بھڑکاتا اور اپنے اندر رتی صفحات کی ورق گردانی کے لئے مجبور کرتا ہے۔ میگزین کے مرتبین کی یہ کوشش اس لحاظ سے بھی قابل قدر ہے کہ اس میں ایک دو کچھ ایسے مشمولات بھی ہیں جو چونکا دینے والے ہیں۔ ''ہم نازش ملک و ملت ہیں'' ـــــ مولانا ثانی حسنیؒ کا لکھا ہوا ترانہ ہے جو ندوہ کی محفلوں اور مجلسوں میں پڑھا جاتا ہے لیکن اس میگزین میں ندوۃ العلماء کی تحریک پر ان ہی کے قلم گہربار سے نکلی ایک دوسری نظم شامل اشاعت ہے جو اس میگزین کے مرتبین کے تلاش و جستجو اور جدت و ندرت کے ذوق کا پتہ دیتی ہے اس کے علاوہ جمعیۃ الاصلاح کے قیام سے اب تک کے ہونے والے نظماء (General Secretaries) کی فہرست بھی بڑی دلچسپ ہے ان نظماء میں آج چند ایک آسمان علم وادب کے درخشاں ستارے ہیں۔ ایک تسلسل ہے جو جاری و ساری دکھائی دیتا اور شبلیؒ و مونگیریؒ جیسے اولوالعزم بانیوں کے اخلاص اور عنداللہ ان کی مقبولیت کا سراغ دیتا ہے ـــــ کیا عجب کہ پیش نظر میگزین کے مرتبین بھی اسی سنہری سلسلہ کی کڑی ثابت ہوں۔!! رسالہ ترتیب دینا یا میگزین نکالنا آسان کام نہیں ہوتا، اس کے لئے خود کو کھپانا پڑتا ہے، پروف ریڈنگ کا کام تو اللہ کی پناہ! مانو بالوں میں جوئیں پڑ گئی ہوں اور ان جوؤں کو چننا ہے اور جوؤں کا کام ہے کہ انہیں نگاہوں سے بچ کر نکل جانا ہے۔

جانتا ہوں کہ ہمارے ان عزیز طلباء نے اس کام کو بھی خود ہی کیا ـــــ اس کے علاوہ کمپوز کرنے والوں کی بہانہ تراشیاں اور پھر بجلی کی آنکھ مچولیاں ـــــ نیز مضمون نگار حضرات کے ناز و نخرے ـــــ مشکل یہ ہے کہ ہر وہ شخص جسے بس کسی طرح قلم پکڑنا آگیا ہے وہ بزعم خود شبلی و سلیمان بنا پھرتا ہے، پچھلے زمانہ میں ہمارے بزرگ اختفاء سے کام لیتے تھے اور کارنامے انجام دے کر بھی چھپتے پھرتے تھے لیکن اب ''چھپنے'' کا نہیں ''چھپنے'' کا زمانہ ہے بس ہر شخص چھپنا چاہتا ہے۔ یہ وہ پہلو ہیں جن پر غور کیا جائے تو ایک ایڈیٹر بیچارہ بڑا مظلوم ہوتا ہے ضبط و تحمل سے کام لیتا اور دلداری کرتا رہتا ہے اس طرح سلوک کی راہ طے کرتا رہتا ہے ـــــ جانتا ہوں کہ اس میگزین کے مرتبین کو ان سارے مراحل سے گزرنا پڑا ـــــ اس لحاظ سے انہیں اس کا کچھ تجربہ تو ہوا کہ اجتماعی کام آسان نہیں ہوتے لیکن اس کے باوجود ہر حال میں اجتماعیت کا لحاظ رکھنا ہے اور اسی ماحول میں جینا اور اپنی زندگی کا ثبوت دیتے رہنا ہے۔

الاصلاح کے زیر نظر شمارہ کے مضامین پر سرسری نگاہ ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ مضامین محنت سے لکھے گئے ہیں اور لکھنے والوں نے اپنے لئے محنت طلب عنوانات کا انتخاب کیا ہے جن میں سے چند ایک عنوانات ہیں: قرآن مجید کے تفسیری اسالیب، عہد نبوی میں حدیث کی حفاظت، اسلام کا نظریہ زہد و تصوف، اسلام کا سیاسی نظام، اسلام کا نظریہ جنگ یا جہاد، فرقہ پرستی اور ہمارے معاشرے کا مستقبل، زوال اندلس کے اسباب اور ہندوستان، غزوہ بدر کا پس منظر اور اس کے اثرات، صحافت اسلام کا عطیہ، ندوہ کا نصاب تعلیم، ندوہ کی منتخب شخصیات، ندوۃ العلماء کی فقہی خدمات، ماسونیت دجالی تنظیم، ابن خلدون کی تاریخ نویسی اور سلسلہ محاضرات اور جمعیۃ الاصلاح کی امسال کی سرگرمیوں کا ایک اجمالی جائزہ اور رپورٹ۔ عنوانات کے حسن انتخاب کے لئے جملہ مضمون نگار اور مضامین کے حسن ترتیب کے لئے میگزین کے مدیر سید عطاء اللہ ندوی بنگلوری اور ان کے معاونین محمد نفیس خاں ندوی رائے بریلوی اور معاذ حسینی اور ان کے جملہ رفقاء قابل داد اور قابل مبارکباد ہیں۔ ۱۶۰ر صفحات پر مشتمل الاصلاح میگزین کے مضامین کی نوعیت علمی و فکری اور دینی و دعوتی ہے * ان سے ندوہ کی فکر کی ترجمانی ہوتی ہے۔ نیز اکابر ندوہ کی حیات و خدمات پر بھی چند اہم مضامین قابل مطالعہ ہیں۔ ہمارے مخدوم و مربی مولانا واضح رشید ندوی، جن کی شخصیت صحافت اور صحافیوں کے لئے مینارۂ نور کی حیثیت رکھتی ہے، کی توجہ میگزین کے مرتبین کو حاصل رہی، یہ ان کے لئے سعادت کی بات ہے۔

حاصل یہ کہ الاصلاح میگزین کی یہ کاوش قابل مبارکباد بھی ہے اور لائق قدر بھی۔ خدا کرے ہمارے ان مرتبین میں ایڈیٹنگ کے جو صحت افزا جراثیم ہیں، وہ قائم رہیں اور بحر و بر میں پھیلے ہوئے فسادی جرثوموں کا فراست مومنانہ اور جرأت رندانہ کے ساتھ مقابلہ کرسکیں۔ آمین

طلبائے دارالعلوم کی الوداعی تقریب سے

خوش رہو اہل چمن ہم تو سفر کرتے ہیں

طلبائے علیا ثانیہ کے الوداعی تأثرات

(فضیات ثانی کے طلباء کو طلبائے دارالعلوم ندوۃ العلماء نے ایک الوداعیہ دیا جو حضرت ناظم ندوۃ العلماء کی صدارت میں جمالیہ ہال میں منعقد ہوا۔ اس تقریب میں حضرت مہتمم صاحب مدظلہ العالی کے علاوہ دارالعلوم کے مؤقر اساتذہ نے بھی شرکت فرمائی، اس میں پیش کردہ چند مقالات کا خلاصہ ہدیۂ ناظرین ہے)

الحمد للہ رب العالمین الذی اتخذنا من طلاب العلم و الدین و الصلاۃ و السلام علی سید الاولین و الآخرین محمد و الہ و صحبہ اجمعین

عالی مقام میر کارواں حضرت ناظم صاحب دامت معالیہم، حضرت مہتمم صاحب دامت برکاتہم، اساتذۂ کرام، مہمانان خصوصی اور مادر علمی کے مایہ ناز فرزندو!

آج یہ کیسی گھڑی آپہونچی ہے کہ ہم نے اس دبستان علم و دانش، اور قول و عمل کے لالہ زار سے ابھی مشام جاں کو معطر کرنا شروع ہی کیا تھا کہ اچانک ہمارے رفقاء نے چمنستان الفت و محبت کی پر کیف بہاروں میں الوداع الفراق کا غم آگیں ساز چھیڑ دیا اور یہ دیکھئے کہ جدائی کے تیر و نشتر ہمارے دلوں کو لخت لخت کر رہے ہیں۔

ارباب علم و دانش: یہ امر واقعہ ہے کہ جدائی کی گھڑیوں میں وصل کا کیف و سرور دل حزیں کو تڑپاتا اور رلاتا ہے۔

آپ واقف ہیں کہ ادب و شاعری کا سارا خزانہ لمحات ہجر میں ایام وصل کے تذکروں سے معمور ہے لیکن یہاں پر شاعری نہیں بلکہ میری سچی کہانی ہے اور اس کہانی کی ابتداء دانشکدۂ علم و عمل جامعہ اسلامیہ بھٹکل سے ہوتی ہے۔

حاضرین مجلس: ہماری اس دلکش کہانی میں ایک خوشگوار موڑ اس وقت آیا جب ہم نے ندوۃ العلماء میں تعلیمی سلسلہ کو جاری رکھنے کا ارادہ کیا دل میں اس ارادہ کے پختہ ہوتے ہی گویا سماں یوں تھا

ہے لب بلبل پہ شور مرحبا میرے لئے
مانگتے ہیں صبح کو غنچے دعا میرے لئے

عندلیبان چمن: قصہ مختصر ندوۃ العلماء نے ہمیں راز ہستی سے باخبر کیا، ہماری نظر کو حق نگر بنایا، حقیر ذرات کی جبینوں کو شعاع رفعت سے ضوفگن کیا، ہماری ٹوٹی ہوئی امیدوں کو سہارا اور بھٹکی ہوئی دعاؤں کو راستہ عطا کیا، ہمارے ذوق آگہی کو بے تاب اور ہماری حقیر کوششوں کو آفتاب و ماہتاب بنادیا

اسی کے فیض سے ہے میری نگاہ روشن
اسی کے فیض سے میرے سبو میں جیحوں

شہسواران ملک و ملت: یہ انسانی فطرت ہے کہ جب تک ذمہ داریوں کے بوجھ تلے دب نہ جائے اور ہمت مرداں مدد خدا پر اعتماد کرتے ہوئے عملی میدان میں کود نہ پڑے اس وقت تک ذاتی جوہر، عزم و حوصلہ کی طاقت اور رفتار زمانہ کا اندازہ نہیں ہوسکتا، زمانہ بڑی تیز گامی سے فنا کی طرف بڑھ رہا ہے، جدید تہذیب اور جدید طاقتوں نے علم و اقدار اور تاریخ و کردار کی دھجیاں بکھیر کر دکھ دی ہیں، اسلام کی شبیہ بگاڑنے اور اس کی جڑ کٹی کی ہر ممکن کوششیں کی جارہی ہیں، اصل دشمنوں اور ان کے ناپاک عزائم سے دور رکھنے کے لئے مسلمانوں اور بالخصوص طبقۂ علماء کو آپسی گروپ بندیوں میں مشغول رکھ کر ان کے اردگرد شکوک و شبہات اور غلط فہمیوں کی دیوار عظیم قائم کردی گئی ہے، ذہین و باصلاحیت افراد اصل دشمنوں کے بجائے اپنے ہی بھائیوں سے دست گریباں ہیں، دین کی تبلیغ و دعوت کا مقصد "لتکون کلمة الله هی العلیا" کے بجائے "لتکون کلمة حرکتنا هی العلیا" بن گیا ہے مطالعہ کی کمی اور صلاحیتوں کا فقدان کا یہ حال ہے کہ جھوٹی شہرت، عارضی دولت اور فکری و مسلکی رجحانات کے خاطر دین کی تحریف کی بے جا کوششیں ہونے لگی ہیں ایسے ماحول اور نازک حالات میں ان علماء ملت اور وارثین انبیاء کی ذمہ داری اور بڑھ جاتی ہے جن کا فقر و نعرہ

بتان رنگ و خوں کو توڑ کر ملت میں گم ہوجا
نہ تو رانی رہے باقی نہ ایرانی نہ افغانی

جو عقیدہ کی پختگی مزاج کے اعتدال، فکر کی وسعت، اور نظر کی بلندی میں اپنے ہم عصروں سے ممتاز اور فائق ہیں جو قدیم صالح اور جدید نافع کے علمبردار ہیں، اہل زمانہ جن کے مکتبۂ فکر کے نمائندوں کو اپنا قائد و رہنما تسلیم کرنے پر مجبور ہیں، آپ ہی سے آج اس طرح کی امیدیں وابستہ ہیں کہ زمانے کی رفتار، اس کے اسلوب، اس کے وسائل، اس کے مسائل اور بڑھتے ہوئے چیلنجوں کو پوری طرح سمجھ کر شریعت کی روشنی میں زمانہ کی صحیح رہنمائی کی جائے جس سے اہل زمانہ بھی مطمئن ہوں اور وقت کا تقاضہ بھی پورا ہو، ملت بیضاء آج دعوت، دعوت، محبت، وسعت اور جذبات پر قدرت کی بھوکی ہے، وہ نظریں اٹھا اٹھا کر دیکھ رہی ہے کہ ہے کوئی اس کی دعوت پر لبیک کہنے والا؟ ہے کوئی اس کی مرادوں اور تمناؤں کو پورا کرنے والا؟ ہے کوئی اس کے جذبات کا پاس و لحاظ کرنے والا؟

جو بڑھ کر خود اٹھالے ہاتھ میں مینا اسی کا ہے
ورنہ "وان تتولوا یستبدل قوما غیرکم ثم لا یکونوا امثالکم۔"

آخر میں ہم اپنے مشفق اساتذہ، ذمہ داران، اور مادر علمی کو یہ یقین دلاتے ہیں کہ ہم اپنی آخری سانس تک اپنے مقدور بھر دائرے میں آپ کی فکر اور آپ کے مسلک و مزاج کی اپنے قول و عمل سے ترجمانی کرتے رہیں گے اور آپ کی محبت اور آپ سے تعلقات کو اپنے لئے سرمایۂ افتخار سمجھتے رہیں گے۔

یہ شعر آپ کی نذر کرتے ہوئے رخصت ہوتا ہوں۔

دور و دیوار پہ حسرت سے نظر کرتے ہیں
خوش رہو اہل چمن ہم تو سفر کرتے ہیں

(محمد میراں ارشاد نائطے)

✿✿✿

محترم اساتذۂ کرام اور عزیز بھائیو! آج کے دن اس موقع سے مولانا ابوالکلام آزاد کا ایک مختصر اقتباس نقل کرنا مناسب سمجھتا ہوں جس کے اندر مولانا نے شاید ہمارے اس موقع کی سچی تصویر کھینچ دی ہے وہ عبارت پر نہیں رکھتی، طاقت پرواز مگر رکھتی ہے، عرض کرتے ہیں "انسانی فطرت کی یہ عالمگیر کمزوری ہے کہ جب تک وہ ایک نعمت سے محروم نہیں ہوجاتا اس کی قدر و قیمت کا ٹھیک ٹھیک اندازہ نہیں کرسکتا، تم گنگا کے کنارے بستے ہو اسی لئے تمہارے نزدیک زندگی کی سب سے زیادہ بے قدر چیز پانی ہے۔"

آج جب ہم آپ سے جدا ہورہے ہیں جسمانی اور مادی طور پر ندوہ کے در و بام اس کی علمی اور ادبی فضا مہکتے پھولوں، کھلتے کلیوں، چہکتے گلچوں اور ان میں پلنے والے گنگناتے اور چہکتے بلبلوں سے الگ ہورہے ہیں تو زندگی کے فرائض یاد آرہے ہیں، ندوۃ العلماء کی اہمیت، اس کی قدر و قیمت، اور اس کے علمی حلقے، اساتذۂ کرام کی پدرانہ شفقت، ذمہ داران کے مفید مشورے، نگراں صاحبان کی ڈانٹ ڈپٹ ایک مکمل ضرورت بن کر کھڑی نظر آرہی ہے۔

وقت جوں جوں رائیگاں ہوتا گیا
زندگی کو کام یاد آنے لگے

یہاں کا عمومی کتب خانہ، پھر ہاسٹل کی لائبریری، اور اساتذۂ کرام کی پندہ نصائح ہمیں چیخ چیخ کر کہہ رہی ہیں کہ۔

تمہارے عزم و استقلال پہ سب کی نگاہیں ہیں
وطن کے غمگسارو، جہاں غافلو تم نہ سوجانا

محترم دوستو! آج ہم ندوہ سے فارغ ہورہے ہیں، ندوی کہلانے کے مستحق اب سے دو سال قبل ہی ہوچکے تھے، کئی ساتھیوں کو میں نے کہتے ہوئے سنا کی میرا مقصد صرف ندوے کی ڈگری ہے، ابھی مل جائے تو کوئی کام کروں، لیکن شاید یہ فکر رکھنے والے آٹے میں نمک کے برابر ہوں، کیونکہ ندوہ یا دارالعلوم مولانا عبدالماجد دریابادیؒ کی زبانی نام کسی در و دیوار کا نہیں، اینٹ و چونے کی عمارت کا نہیں، دفتر نظامت کے کاغذات اور رجسٹروں کا نہیں، کتب خانے یا اقامت گاہوں کا نہیں، نام ہے چند مقاصد کا، ایک مخصوص و متعین پروگرام کا، ایک بلند نصب العین کا، آج اگر ہم ندوی ہیں تو اس پیام کو قبول کرنا ہماری ذمہ داری ہے اور ہمارا جواب یہ ہو کہ

بھائیں گے فنا کے بعد بھی ہم رسم محبت کو
غبار راہ بن کر ہم تیرا دامن نہ چھوڑیں گے

محترم صدر مجلس! میرا جی چاہتا ہے کہ آپ مجھے اجازت دیں تو ایک حقیقت سے پردہ اٹھاؤں، آج کی دنیا خالص مادی ہے، ہر طرف سونے چاندی کی جھنکار طاؤس و رباب کی باتیں، تخت و تاج کی ہوس، تفوق و برتری کا مسابقہ اور فرش و گوہر کی طلب و جستجو گویا کہ سب بیک زبان کہہ رہے ہوں "لاموجود الا البطن و لا موجودة الا المادة" گویا کہ مادیت کے اس طوفان میں لوگ اس قدر بدحواس ہیں کہ ان میں اچھی اور بری چیزوں کی تمیز نہیں رہ گئی ہے،

کچھ ایسے بدحواس ہوئے آندھیوں میں لوگ
جو پیڑ کھوکھلے تھے انہیں سے لپٹ گئے

یہ مادیت کا طوفان، مجھے معاف کریں اور کہنے دیجئے، آج مدارس اسلامیہ سے فارغ ہونے والے علماء کو بھی اپنی گرفت لے چکا ہے، آج وہ طاؤس و رباب کی باتیں کرنے لگے ہیں، آج ان کے بھی خیالات متزلزل ہیں، ان کا فکری منہج بھی مغربی ہوتا جارہا ہے، آج وہ بھی قیس و لیلیٰ اور شیریں و فرہاد کے قصوں میں دلچسپی لینے لگے ہیں اور "بابر بہ عیش کوش کی عالم دوبارہ نیست" کے نظریہ پر عملی طور پر اتفاق کا اظہار کررہے ہیں۔

محترم دوستو! آج ہم ندوہ کا پیغام جو درحقیقت اسلام کا پیغام ہے دنیا میں عام کرنے اور اسلامی تعلیمات سے عوام الناس کو روشناس کرانے کے لئے اپنے مادر علمی کو الوداع کہہ رہے ہیں، دنیا میں حالات پل پل میں بدل رہے ہیں، مسلمانوں کے خلاف ایک منظم اور مربوط سازش کی جارہی ہے، اسلام کے صاف و شفاف چشموں کو دہشت گرد، بنیاد پرست اور غدار وطن جیسے کڑوے کسیلے الفاظ سے گدلا کیا جارہا ہے۔

دور تک صبح کے آثار نہیں ہیں لیکن
دل کو امید بڑی ہے کہ اجالا ہوگا

آج ہمارے خلاف یہ زہر اگلا جارہا ہے کہ یہ اسلامی بنیاد پرست دنیا کو دو سو سال پیچھے لیجانا چاہتے ہیں، ان سے آپ معذرت کے ساتھ کہہ دیجئے کہ معاف کریں، آپ نے ہمارا اندازہ لگانے میں سخت غلطی کی ہے، بلکہ ہم دنیا کو چودہ سو سال پیچھے لے جانا چاہتے ہیں، تاکہ صحابہ کرامؓ کی صف میں جا کھڑی ہو اور دنیا امن و شانتی کا گہوارہ بن جائے۔

بجھے بجھے سے چراغوں پہ طنز کیا کیجئے
اب تو آفتاب ترستے ہیں روشنی کے لئے

دوستو! چلتے چلتے دل چاہتا ہے کہ کچھ دل کی باتیں کروں، کیونکہ "دل سے" جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے، اور ہاں آپ اپنے دل کے دروازے کو بالکل کھلا چھوڑ دیں اور سنیں، اس طائر لاہوتی کی صدائے بازگشت جو موسم بہار میں کسی شاخ گل پہ بیٹھ کر گنگنا رہا ہے۔

بقدر الکد تکتسب المعالی
ومن طلب العلی سهر اللیالی

اور کہیں سے یہ صدا بھی آرہی ہے کہ "آج پورے عالم میں عام طور پر اور ہندوستان میں خاص طور پر مدارس دینیہ کے خلاف بڑا زبردست پروپیگنڈہ کیا جارہا ہے اس کا مقابلہ صرف اس طرح ہوسکتا ہے کہ جس کا دنیا کو خوف ہے وہ امر واقعہ بن جائے..... اس کے لئے

اہل مدارس کو کچھ فیصلے کرنے ہیں، کچھ اقدامات اور ہمہ وقت اپنے کو حالت جنگ میں سمجھنا ہے، اور اس کے لئے ہر ممکن انتظام کرنا ہے۔

کوئی ہم سے یوں گویا ہے کہ

قیمت غم حیات کی تو دام دام لے
بہار ہو کہ خزاں دونوں سے کام لے

اور کسی چٹکتے غنچے سے یہ صدا بھی پھوٹ رہی ہے کہ، ہر قوم کو اپنے نوجوان سے بڑی توقعات وابستہ ہوتی ہیں، آپ ان توقعات پر پورے اتریں، دنیا کے جس حصہ اور عمل کے جس میدان میں رہیں، اسلامی تشخص، عالمانہ وقار، دعوتی مزاج وکردار کو باقی رکھیں۔

اور کہیں سے پردۂ شب کو رکو چاک کرتے ہوئے یہ ندا بھی آرہی ہے کہ آپ ایک قوم کے فرد ہی نہیں ہیں بلکہ خدا کی بنائی ہوئی مخصوص جماعت (حزب اللہ) کے ذمہ دار کارکن ہیں۔

اور کہیں سے کوئی ندا لگانے والا ہم سے یوں مخاطب ہے کہ "آج کے حالات قیامت کے ہولناک دن سے زیادہ شدید تو نہیں!!..... پھر مایوسی کیسی؟ اللہ کے حضور پیشی اور جوابدہی کے احساس سے کسی لمحہ غافل نہ رہئے اور پھر دیکھئے کہ کیسی نت نئی راہیں آپ پر کھلتی ہیں اور رحمت الٰہی آپ پر سایہ فگن ہوتی ہے۔

اور دوستو! میں یہ بھی سن رہا ہوں کہ

Think deeply and do your best
courage and study other wise.

اور آخیر میں یہ کہتے ہوئے رخصت ہوتا ہوں کہ

قالت الطير لقد حل الشتاء
حل فصل البرد واشتد الصقيع
فوداعا ايها الغصن وداعا
سوف القاك إذا عاد الربيع
قالت الأوراق للغصن وداعا
ايها الغصن فقد جاء الشتاء
سوف القاك إذا ما الطير عادت
فى الربيع الطلق تشدو بالغناء
ثم قال الوقت للناس وداعا
إنى أنفس شئى فى الوجود
ترجع الأوراق والطير جميعا
وأنا من حيث أمضى لاأعود

(محمد نسیم اختر)

●●●

حضرات! دارالعلوم ندوۃ العلماء کی یہی وہ سرزمین ہے جہاں صبہائے کہن ساغر نو میں ڈھلی ہے کلیوں سے حسن۔ پھولوں سے مہک پھیلتی ہے۔ یہی وہ خطہ ہے جہاں جوئے حیات ابلتی ہے۔

تہذیب کے اس میخانہ میں شمشیر بھی ہے اور ساغر بھی۔ ادھر حسن کی برق چمکتی ہے نور کی بارش ہوتی ہے۔ یہاں کی آہ، بلبل کی نغمہ سنجی سے۔ یہاں کے اشک سچے موتی ہیں۔

اے دانش گاہ علم ومعرفت۔ تیری شام شام مسر ہے، تری شب، شب شیراز ہے، تیری شام میں نکہت اودھ پائی۔ تیری صبح میں بادِ بنارس کا عطر پایا۔ تو سوز وساز کا رنگین مرقع ہے، تو دیوانوں کا دشت جنوں بھی ہے اور پروانوں کی شمع شبستاں بھی۔ افتاد و پرواز تو تو نے ہی سکھائی۔ کبھی وفا کے گیت گائے، کبھی ساز جنوں چھیڑے۔ کیا یہ وہی بزم نہیں جہاں ہم نے اپنی خوابیدہ صلاحیتوں کو پروان چڑھایا۔

رفقائے محفل۔ آج میں اپنی قسمت پر نازاں ہوں کہ کاتب تقدیر نے میرا انتخاب اس عظیم اسلامی درسگاہ کے لئے فرمایا تھا۔ جدا ہونے والے بھائی کا پیغام آپ کو یہی ہے کہ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے لئے اپنے انتخاب کو خدائے تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت سمجھئے، اور اس کی قیمت پہچانئے، یہ کوئی فخر نہیں بلکہ شکرانِ نعمت کے طور پر کہہ سکتا ہوں کہ یہاں کے علمی وتربیتی ماحول اور غیر درسی کتابوں کے مطالعہ نے میرے فطری ذوق کو فروغ دیا، جمعیۃ الاصلاح نے زبان کو قوتِ گویائی دی، ذہن ودماغ میں فکر ونظر کے انمٹ نقوش چھوڑے۔ النادی العربی نے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان میں بولنے اور لکھنے کی صلاحیت بخشی۔ بزم صحافت اور بزم سلیمانی نے میرے قلم کو مہمیز لگانے کی طاقت بخشی، شبلی وسلیمان کے نقش قدم پر چلنے کا حوصلہ بخشا، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس مادر علمی نے سوچنے سمجھنے کی راہیں متعین کیں۔ "خذ ما صفا ودع ما کدر" کو زندگی کا مشن بنانے پر آمادہ کیا اور اس منصب جلیل کو یاد دلایا جسے امت مسلمہ فراموش کر چکی ہے۔

زندگی سو بار حسن آرائیاں لے آئے گی
پر یہاں کے قیمتی لمحات کیسے پائے گی

یہاں پر مختلف اضلاع سے، مختلف ملکوں سے، اور مختلف صوبوں سے رنگ برنگ کے پھول ایک جگہ جمع ہو کر گل سرسبد کی شکل اختیار کر لی تھی، جن کی بزم آج درہم برہم اور محفل سونی ہوئی جارہی ہے، مدتوں کا ساتھ آج چھوٹ رہا ہے۔ اف یہ لمحات بھولے نہ جائیں گے، اشکوں کے پیہم قطرے بھی اس داغ غم مفارقت کو نہ دھوسکیں گے۔

اے میری شمع امید، اے میری منزل چراغ، اے میرا ناموس وفا، اے میری نغموں کی پکار آج بھی مجھ کو تیرے پیار کی بو آتی ہے کل بھی تیری خوشبو آئے گی، ذرا دیکھ تو سہی زندگی مجھے حکم سفر دیتی ہے، ساتھ میں اک دلِ بیتاب لئے جاتا ہوں۔

ہر قدم تو نے کبھی عزم جواں بخشا تھا
میں وہی عزم جواں ساتھ لئے جاتا ہوں
چوم کر آج تیری خاک کے ذرات، محبت
کے پھول چڑھاتا جاؤں۔ جانے اس سمت کبھی میرا گزر ہو کہ نہ ہو، آخری بار گلے تجھ کو لگاتا جاؤں

ترے گہوارۂ آغوش میں اے جانِ بہار
اپنی دنیائے حسین دفن کئے جاتا ہوں
تو نے جس دل کو دھڑکنے کی ادا بخشی تھی
آج وہ دل بھی یہیں دفن کئے جاتا ہوں

(سید عطاء اللہ بنگلوری)

✿✿✿

ماحول کا اثر

مولانا شمس الحق ندوی

بخاری کی روایت ہے: حضرت ابو موسیٰ اشعری نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نیک اور بد ساتھی کی مثال۔ مشک بیچنے والے اور بھٹی دھونکنے والے جیسی ہے، مشک بیچنے والا تمہیں مشک دے گا یا تم اس سے خریدو گے یا (کم از کم) یہ کہ جب تک اس کے پاس رہو گے اچھی خوشبو ملے گی، اور بھٹی دھونکنے والا یا تو تمہارے کپڑے جلادے گا یا بدبو ملے گی۔

علامہ حکیم راغب اصفہانی اپنی کتاب "الذریعۃ إلی مکارم الشریعۃ" میں ص ۲۵۵-۲۵۶ پر لکھتے ہیں، انسان کے لئے ضروری ہے کہ نیکوں کا ساتھ اختیار کرنے کی بھرپور کوشش کرے کہ نیکوں کا ساتھ بروں کو اچھا بنادیتا ہے، ایسے ہی جیسے بروں کا ساتھ اچھوں کو برا بنادیتا ہے، بعض اہل علم اور دانشمندوں کا کہنا ہے کہ جو بھلے لوگوں کے ساتھ بیٹھے گا اس کو ان کی برکت حاصل ہوگی اس لئے کہ اللہ کے نیک بندوں کے ساتھ بیٹھنے والا محروم وبدنصیب نہیں ہوتا چاہے کتا ہی کیوں نہ ہو، جیسے اصحاب کہف کا کتا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

"اور ان کا کتا چوکھٹ پر دونوں اگلے پاؤں پھیلائے ہوئے ہے۔"

اسی لئے اہل علم وتجربہ کہتے ہیں کہ نوعمروں کو بے وقوفوں کے ساتھ نہ بیٹھنے دو۔

امیر المومنین حضرت علیؓ نے فرمایا کہ برے آدمی کے ساتھ نہ رہو کہ وہ اپنے برے عمل کو تمہاری نظروں میں اچھا دکھائے گا اور چاہے گا کہ تم بھی اس جیسے بن جاؤ، یہ وہ کھلی ہوئی بات ہے جو برابر تجربہ میں آتی رہتی ہے، کہ بروں کا ساتھ اختیار کرنے والے برائی ہی کی راہ پر چل پڑتے ہیں۔

اسی لئے یہ حکم ہے کہ اس کے ساتھ رہو جس کا دیکھنا تم کو اللہ کی یاد دلائے، اور اس کی باتیں تمہارے اچھے عمل کو بڑھاتی رہیں۔

بروں کے ساتھ بیٹھنے سے روکا جاتا ہے کہ اس کی بری عادت غیر محسوس طریقہ پر تمہارے اندر پیدا ہوتی جائے گی اور تمہیں اس کا پتہ بھی نہ چلے گا۔

ساتھی کا اثر اس کی باتوں اور عمل ہی سے نہیں پڑتا بلکہ اس کو دیکھنے کا بھی اثر پڑتا ہے اس کی اچھی یا بری عادتیں انسان پر اثر ڈالتی رہتی ہیں، جیسے کسی خوش دل اور ہنس مکھ آدمی کو دیکھ کر دل پر اثر پڑتا ہے کہ بجھا ہوا اور رنجیدہ آدمی بھی اس کے پاس بیٹھ کر خوش ہو جاتا ہے اور اپنا غم بھول جاتا ہے، لیکن جب غمگین آدمی کو دیکھتا ہے تو وہ بھی رنجیدہ ہو جاتا ہے اس کے غم کا اثر اس کے دل پر بھی پڑتا ہے

آزردہ دل آزردہ کند انجمنے را

"ایک رنجیدہ شخص پوری مجلس کو رنجیدہ بنادیتا ہے۔"

یہ بات صرف انسانوں ہی میں نہیں بلکہ دوسرے جانوروں حتی کہ نباتات پیڑ پودوں میں بھی پائی جاتی ہے قوی اور مضبوط اونٹ کمزور وپست ہمت اونٹوں کے ساتھ رہ کر پست ہمت ہو جاتا ہے، خوشبو کا تر وتازہ پودہ مرجھائے ہوئے پودوں کے پاس ہوئے کے سبب مرجھا جاتا ہے جیسا کہ ماہر نباتاب حضرات کا تجربہ ہے۔

عام مشاہدہ ہے کہ پانی اور ہوا بھی قریب میں پڑے ہوئے مردار سے متاثر ہو جاتے ہیں ان میں بھی بدبو اور جراثیم پیدا ہو جاتے ہیں، یہ ایسی حقیقت ہے کہ جس شخص کو ذرا بھی تجربہ ہو اس کو تسلیم کرلے گا جب یہ چیزیں قربت کا اتنا اثر قبول کرتی ہیں تو پھر جو ان سب میں ممتاز باشعور اور ماحول کا زیادہ اثر قبول کرنے والا ہے وہ کیسے صحبت کے اثر سے محفوظ رہ سکتا ہے۔

لہذا صالحین کی صحبت اختیار کرنا اور برے لوگوں سے دور رہنا اپنی سیرت کو سنوارنے کے لئے اتنا ہی ضروری ہے جتنا بہتر اور تازہ غذا جسم کے لئے۔

اس وقت ہم جس ماحول میں سانس لے رہے ہیں وہ بے حیائی وفحش کاری، ناچ گانے، نہایت گندی تصویروں، گھناؤنے بورڈ واشتہارات کا کیسا حیا سوز اور انسانیت سوز ماحول ہے، اس ماحول میں نوخیز نسل حتی کہ معصوم بچوں تک پر کتنا غیر معمولی اثر پڑ رہا ہے ہم اس کا اندازہ نہیں لگا سکتے اس لئے اس کی شدید ضرورت ہے کہ ہم اپنے بچوں کی تعلیم وتربیت اور اس گندے ماحول سے بچانے کی اتنی ہی فکر کریں بلکہ اس سے بڑھ کر جتنا وبائی امراض کے زمانہ میں بیماریوں کے جراثیم سے بچانے کی فکر کرتے ہیں، حد یہ کہ اب موبائل تک میں یہ برائیاں سرایت کرگئی ہیں، اور نوجوانوں کے لئے ایک خطرہ بن گئی ہیں جیسا کہ بعض مضامین سے اس کے خطرہ کا کچھ اندازہ ہوا یہی چیزیں جو آج ہمیں اچھی اور سہولت کی معلوم ہو رہی ہیں اگر ان کا استعمال فکر وہوشمندی کے ساتھ نہ کیا گیا تو ہماری نئی نسل کا مستقبل دہریت ولادینیت کے خطرہ میں پڑ جائے گا، لہذا ان چیزوں سے حفاظت وبچاؤ کی جو بھی ممکنہ کوششیں ہوں وہ کرنا ضروری ہے۔

اس وقت دنیا کا جو سیاسی ماحول ہے اسی پر ذرا غور کرلیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ ماحول اور حالات اپنا کیا اثر ڈالتے ہیں۔

دنیا کے حالات، دین مخالف تحریکات، دین دشمن سرگرمیوں سے اہل علم ودین کا واقف ہونا بہت ضروری ہے لیکن اس سے ایسی دلچسپی کہ ہر وقت اسی کا چرچا ہر وقت وہی باتیں غیر شعوری طور پر ہمارے وقت کا اتنا بڑا حصہ لے لیتی ہیں کہ دوسرے مثبت دینی وتعلیمی کاموں کو متاثر کرتی ہیں حد یہ ہے کہ کھیل جیسی غیر اہم چیز جب اس کا عالمی پیمانہ شروع ہو جاتا ہے تو پڑھے لکھے اور دینی حلقہ بھی میں اکثر موضوع گفتگو بنا رہتا ہے جو

ہمارے وقت کا بڑا حصہ تبصروں ہی میں ضائع کر دیتا ہے یہ انسانی کمزوری ہے کہ جو غلط چیزیں دھیرے دھیرے دبے پاؤں آتی ہیں اور زندگی میں داخل ہوتی جاتی ہیں ان کی برائی کا خیال نہیں آتا۔

حضرت سید احمد شہیدؒ نے جب دہلی کا سفر کیا اور پھر اس کے اطراف میں دعوتی سفر فرمایا تو بڑے بڑے علماء و مشائخ کی موجودگی میں بہت سی غیر شرعی رسمیں جاری تھیں اور ادھر ذہن نہیں جاتا صرف ایک مثال کافی ہے۔

''جب سید صاحبؒ کاندھلہ تشریف لے گئے تو اس وقت مولوی ابوالحسن صاحب سن رسیدہ تھے (مفتی الٰہی بخشؒ کے صاحبزادے) ان کے صاحبزادے نورالحسن آٹھ دس برس کے تھے، اور زیور پہنے ہوئے تھے جب سید صاحب تشریف لائے تو صاحبزادہ صاحب آکر بیٹھ گئے، سید صاحب نے فرمایا مولانا یہ کون ہیں؟ انہوں نے کہا ''بندہ زادہ'' فرمایا یہ کیا پہنے ہوئے ہیں؟ کیا یہ جائز ہے؟ کچھ ایسی تقریر فرمائی کہ دو شرمندہ ہوئے اور اسی وقت انہوں نے اس کو اتروا ڈالا، عورتوں نے بہت دند مچایا کہ ''یہ نئے مولوی کہاں سے آئے ہیں؟ ہمارے مولویوں نے بھی نہیں منع کیا! اب نئی کتابیں بنی ہیں؟ جو پہلے تھیں وہی اب بھی صاحب نے فرمایا کتابیں واقعی کتابیں تو وہی اب بھی ہیں جو پہلے تھیں لیکن ہم نہیں جانتے کہ ہم کو کیا ہو گیا تھا۔(۱)

حضرت سید احمد شہیدؒ کے زمانے میں بڑے بڑے مشائخ موجود تھے لیکن سلام مسنون کا طریقہ متروک تھا اور چونکہ اس طرح کی چیزیں معاشرہ میں اس طرح رچ بس گئی تھیں کہ ادھر ذہن تک نہیں جاتا تھا، نکاح بیوہ اور فرضیت حج سے انکار عام بات تھی، اللہ تعالیٰ نے حضرت سید رحمۃ اللہ علیہ سے تجدید کا کام لیا اور بڑے بڑے مشائخ نے جن کے ہزاروں مرید تھے سید صاحب کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا اور ایسی کایا پلٹ ہوئی کہ تجدید و احیاء سنت کی باد بہار چلنے لگی۔

اور بقول حضرت مولانا عبد القادر رائے پوری کہ حضرت سید صاحبؒ پر شوق شہادت غالب تھا ورنہ ہندوستان میں بدعت کا نام نہ رہ جاتا۔(۲)

مذکورہ بالا تحریر کا مقصد یہ ہے کہ ماحول جب اتنے پاکیزہ نفوس سے متاثر ہو جاتے ہیں تو عام مسلمانوں کا کیا ذکر لہٰذا نوجیز نسل کے لئے حتی الامکان برے اور اچھے ماحول کی فکر کرنا ضروری ہے ورنہ ان کا دین و ایمان خطرہ میں پڑ جائے گا، اسی طرح بڑی عمر کا آدمی بھی جیسا کہ حدیث مذکور سے معلوم ہوتا ہے جس سے مضمون کی ابتداء ہوئی ہے اگر غلط اور بگڑے ہوئے لوگوں کے ساتھ رہے گا ان کے ساتھ اس کا اٹھنا بیٹھنا ہوگا تو قطعی طور پر ان سے متاثر ہوگا، اچھے اور نیک لوگوں کے ماحول میں رہے گا تو اثر قبول کرے گا یہ ایک طے شدہ بات ہے کہ انسان ماحول سے متاثر ہوتا ہے، لہٰذا اللہ کے نیک بندوں کی مجالس میں حاضری تعمیر سیرت کے لئے ضروری ہے یہ ممکن نہ ہو تو ایسے خاصانِ خدا کے حالات و ملفوظات اور تذکروں کا پڑھنا ضروری ہے۔

☆☆☆

مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کی نئی تالیف

سیرت محمدی ﷺ انسانیت کے لئے اعلیٰ نمونہ

صفحات: ۴۴

قیمت: ۱۵ روپے

ناشر:-

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام،

پوسٹ بکس ۹۳ لکھنؤ

(۱) سیرت سید احمد شہیدؒ ۱/۱۷۰-۱۷۱۔

(۲) یہ بات حضرت مفکر اسلامؒ ہی کی زبانی سنا الفاظ میں کچھ فرق ہو سکتا ہے۔

.....بقیہ: دینی تعلیمی کونسل.....

صالح معاشرہ کی ضرورت پر زور دیا اور خاص طور لڑکیوں کی دینی تعلیم کی اہمیت بیان کی۔

دینی تعلیمی کونسل کے جنرل سکریٹری ڈاکٹر مسعود الحسن عثمانی نے تحریک و تنظیم کے تعلق سے مستقبل کا ایک مثبت خاکہ اور تعلیمی منصوبہ پیش کیا اور بین الاقوامی حالات کے تناظر میں اس حقیقت پر زور دیا کہ مسلمانوں کی نوجوان نسل کو فکری اعتبار سے ہدف بنایا گیا ہے اور اسے نئے چیلنجوں کا مقابلہ کرنا ہے اس کے لئے ذہنی تربیت اور کردار سازی کی ضرورت ہے۔

آج جلسہ میں ارکان کونسل کا جو انتخاب عمل میں آیا اس میں دینی تعلیمی کونسل کے موقف کے تحت حلقۂ دیوبند، حلقہ ندوۃ العلماء، حلقۂ اہل حدیث اور بریلوی مسلک کی نمائندہ شخصیتوں کو شامل کرنے کے ساتھ فرنگی محل، دار المبلغین، سنی یوتھ فیڈریشن، وکلاء، تاجر، صحافی اور جدید تعلیم یافتہ حضرات کو نمائندگی دی گی ہے۔

جلسہ میں ڈاکٹر محمد اشتیاق حسین قریشی مرحوم کی طویل مخلصانہ خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے بھرپور خراج عقیدت پیش کیا گیا اور ان کے صاحبزادے ڈاکٹر محمد شعیب قریشی سے جو جلسہ میں موجود تھے تعزیت کی گئی، مختلف اضلاع کے ذمہ داران جو اس درمیان رخصت ہو گئے ان کے لئے بھی ایصال ثواب کیا گیا۔

جلسہ کا آغاز قاری محمد ریاض ندوی کی تلاوتِ کلام پاک سے ہوا، مولانا محمد اسحاق حسینی ندوی کی آخری مختصر تقریر کے بعد مولانا محمد شفیع مونس صاحب کی دعا پر جلسہ کا اختتام ہوا۔

●●●

روداد سفر

شمالی گجرات میں چند دن

مولانا نذر الحفیظ ندوی

عربی کا محاورہ ہے ''کل شئی مرھون باوقاتہ'' ہر چیز کا وقت متعین ہوتا ہے، یہ محاورہ سفر گجرات کے موقع پر اس لئے یاد آرہا ہے کہ کئی سال سے وہاں کے دورے کا پروگرام بن رہا تھا، ہمارے عزیز دوست مولانا عبد القادر صاحب ندوی گجراتی پٹنی اس دورے کے اصل محرک تھے، گذشتہ سال بھی فروری کے آخر میں یہ پروگرام طے ہو گیا تھا، یہاں تک کہ ریزرویشن کے بعد اپنے عزیز شاگرد مولوی اختر ندوی کو گودھرا اطلاع بھی دے دی تھی، لیکن عین سفر سے ایک روز پہلے گودھرا کا خونریز ڈرامہ مسٹر مودی نے اسی طرح رچایا جس طرح ان کے استاذ ازل مسٹر بش نے ۱۱ ستمبر کو رچایا تھا، یہ گجرات کا ایسا ڈرامہ تھا جس کو دیکھ کر ساری انسانی دنیا میں ہندوستان کا سر شرم سے جھک گیا تھا، لیکن مسٹر بش کی طرح مسٹر مودی بے شرمی سے اپنے موقف پر قائم پوری انسانیت کو اب بھی اپنے وجود سے شرمسار کرنے پر تلے ہوئے ہیں ـــــ ہمارا سفر موذی کے ایذا کی وجہ سے فوری طور پر تو ملتوی ہو گیا لیکن خود ہمارے اندر یہ جذبہ انگڑائی لینے لگا کہ گجرات کے مسلمانوں کو قریب سے دیکھا جائے اور یہ معلوم کیا جائے کہ اس منظم سرکاری فساد نے مسلمانوں پر کیا اثرات ڈالے ہیں، اور ان کی مادی و معنوی قوت کہاں تک متاثر ہوئی ہے اور کیا سارے ملک میں اسی طرز پر خونریزی کا منصوبہ آر۔ایس۔ایس نے بنایا ہے ایک سوال ذہن میں یہ بھی آیا کہ گجرات کے مسلمان دوسرے صوبوں کے مقابلہ میں دینی اور دعوتی کاموں سے زیادہ وابستہ ہیں، یہاں کے باشندوں کے مزاج و طبیعت حتی کہ ادب و شاعری اور زبان میں بھی نرمی اور لچک پائی جاتی ہے، ان سب کے باوجود یہ عذاب کیوں آیا، اصل اسباب و محرکات کیا تھے اور کس طرح کے لوگ اس فساد سے متاثر ہوئے اور خود مفسدوں کا ردعمل کیا رہا۔

مولانا عبد القادر صاحب ندوی کے عزیز و محبوب شاگرد مولانا سیف الدین صاحب دو سال سے مطالبہ کر رہے تھے کہ ان کے قائم کردہ جامعہ امین القرآن۔پان پور، ہمت نگر کے طلبہ و اساتذہ سے خطاب کرنے اور چند روز جامعہ میں قیام کر کے فن تدریس و تعلیم اور بچوں کی نفسیات اور ان کی تربیت اور علمی ترقی کے موضوع پر گفتگو کے لئے راقم الحروف کو مدعو کریں، مولانا سیف الدین صاحب کی اس دعوت کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ انہوں نے چار سال سے جس مدرسہ کو قائم کیا ہے اس کا نظام و نصاب تو ندوۃ العلماء کے مطابق ہے، لیکن یہاں پہلے ہی مرحلے میں تعلیم عربی زبان میں دی جاتی ہے، یہ نظام کس حد تک کامیاب ہے، اور منزل تک رسائی کے لئے مزید کن وسائل کی ضرورت ہے، مولانا کو حسن ظن تھا کہ یہ راقم اس معاملہ میں کچھ مشورہ دے سکتا ہے، اس مقصد کے لئے جامعہ کی طرف سے باقاعدہ دعوت نامہ مولانا نے اپنے یہاں کے ایک مدرس محمد اویس کے ذریعہ بھجوایا اور انہیں اس سفر کا رفیق و معاون بھی بنا دیا، اور یہ واقعہ ہے کہ ان کی وجہ سے یہ طویل سفر بڑے آرام و راحت سے گذرا، مولوی اویس دیکھنے میں بڑے سادہ مزاج کے ہیں لیکن بڑے ذہین اور سمجھ دار ہیں، اپنے ذوق و دلچسپی اور محنت و لگن سے انہوں نے ایسے طالب علموں کو صرف چار ماہ کی قلیل مدت میں عربی بولنا اور لکھنا سکھا دیا جو عربی کا ایک لفظ نہیں جانتے تھے، ان طلبہ کی نحوی اور صرفی استعداد ہدایۃ النحو کے معیار کی ہوگئی، حیرت انگیز بات یہ ہے کہ درجہ کے تمام طلبہ کی استعداد یکساں تھی۔

لکھنؤ سے سابرمتی ایکسپریس کے ذریعہ سفر کیا گیا، لیکن ایس ۶ میں نہیں جس کے سارے مسافر آج بھی محفوظ اور زندہ ہیں مگر اخباری صفحات پر انہیں جلا کر ان کے بدلے پندرہ ہزار گجراتی مسلمانوں کو نیست نابود کر دیا گیا اور کھربوں روپے کی معیشت تباہ و برباد کر دی گئی۔

۲ جون کی صبح کو جب احمد آباد اسٹیشن پر پہونچے تو جامعہ ابن عباس کے اساتذہ مولوی محمد صدیق ندوی اور مولوی افضل ندوی استقبال کے لئے موجود تھے، ان کی معیت میں جامعہ ابن عباس پہونچے جو احمد آباد کے تاریخی علاقے سرکھیج میں واقع ہے، یہ مدرسہ اگرچہ ۱۹۹۲ء میں قائم ہوا لیکن اس مختصر مدت میں دورۂ حدیث تک تعلیم ہونے لگی، اس کو قائم مولانا عبد الاحد تاراپوری نے کیا تھا، مہتمم مولانا احمد حسین صاحب مظاہری ہیں، مولانا عبد القادر صاحب ندوی اس کے سرپرست ہیں، یہاں چوبیس گھنٹے قیام رہا، بعد نماز ظہر طلبہ سے بعد نماز مغرب مدارس و مساجد کے مدرسین اور ائمہ و خطباء سے خطاب ہوا، تقریر کا موضوع ''ہندوستانی مسلمان اور عالم اسلام'' تھا، جامعہ کے اساتذہ اور منتظمین سے تعلیمی وقت ہی میں دفتر اہتمام میں تعلیم و تربیت کے موضوع پر گفتگو ہو چکی تھی، بعد نماز عصر احمد آباد شہر کے بعض تاریخی مقامات اور مشہور مساجد کو دیکھنے کا پروگرام بنا، مدرسہ قاسم السلام انصار نگر جہاں فسادیوں نے سرکاری سرپرستی میں مدرسہ کو تباہ و برباد کرنے کی کئی دن تک کوشش کی، اس کی کئی منزلہ بلڈنگ کو جلا کر راکھ بنانے کی بھی حرکت کی گئی، لیکن مٹھی بھر نہتے مجاہدین نے تین دن تک بھوکے پیاسے رہتے ہوئے مسلح فوج کا مقابلہ کیا، اور انہیں ناکام و نامراد ہو کر واپس جانا پڑا، یہ بات ہر جگہ سامنے آئی کہ جہاں بھی مسلمانوں نے فسادیوں کا مقابلہ کیا وہاں انہیں نقصان نہیں پہونچا۔

قیام کے دوسرے دن مدرسہ دار القرآن دیکھنے گئے جس کے ذمہ دار مولانا مفتی امتیاز صاحب ہیں، دیکھنے میں تو وہ سادہ لوح مولوی معلوم ہوتے ہیں

لیکن بڑے ذہین، متحرک اور فعال اور اخلاص کے سرمایہ کو لے کر ملت کی ہمہ جہت خدمت پر کمر بستہ، ان کے بھائیوں نے معاش کی طرف سے بے نیاز کر کے انہیں دین وملت کی خدمت کے لئے وقف کردیا ہے، مفتی صاحب ایک مدرسہ کے ذمہ دار بھی ہیں لیکن اسی کے ساتھ احمد آباد کے تباہ حال مسلمانوں کو دوبارہ بسانے اور ان کے اندر اعتماد بحال کرنے اور ہر اعتبار سے ان کو دوبارہ اپنے پاؤں پر کھڑا کرنے کی کوشش کررہے ہیں، اللہ تعالیٰ نظر بد سے بچائے۔ آمین

دارالقرآن کی عمارت بڑے سلیقہ سے بنائی گئی ہے، درجات، کتب خانہ، رہائشی کمرے، دفاتر سب صاف وستھرے اور روشن وہوادار، یہاں اساتذہ اور اونچے درجات کے طلبہ سے خطاب ہوا، عزیزی محمد منذر ندوی گجراتی جو تین سال قبل فارغ ہوئے ہیں، مفتی امتیاز صاحب کے معتمد علیہ ہیں، انہوں نے پورا مدرسہ دکھایا۔

ہمارے اصل داعی مولانا سیف الدین صاحب شام ہی کو تشریف لاچکے تھے، ان کے ساتھ جامعہ امین القرآن کے ایک کرم فرما اور دینی کاموں میں پیش پیش رہنے والے حفیظ الرحمٰن صاحب بھی تھے، احمد آباد سے پان پور روانگی سے قبل ایک نظر سرکھیج کے بعض تاریخی آثار پر ڈالی، مظفر حلیم گجراتی محمود شاہ بیگڑہ اور شیخ احمد کھٹو کے مزارات کی زیارت کی اور فاتحہ خوانی کرتا ہوا واپس آیا اور گجرات کی شاندار تاریخ، تابناک ماضی اور تاریک حال کے درمیان موازنہ کرنے لگا۔

احمد آباد سے ہمت نگر ستر کلومیٹر دور ہے، سواد شہر سے نکلتے ہوئے اکثر دھام سے بھی گزرے جو ایک محفوظ قلعہ سے کم نہیں، لیکن اس کو کیا کہا جائے کہ خود اپنے ہاتھوں سے اپنی ناک کاٹنے کا ذرا مہ قدیم دور سے چلا آرہا ہے، آج کی ترقی یافتہ تکنولوجیس بھی اسی قدیم مسلک پر گامزن رہنے میں اپنی کامیابی سمجھتی ہیں، امریکہ جیسے سپر پاور سے لے کر ہندوستان جیسے امن کے داعی ملک سب اسی راہ کے راہی ہیں۔

مولانا سیف الدین کی معیت میں ان کے مدرسہ جامعہ امین القرآن پہونچے تو خیال ہوا کہ یہاں دس دن کا اعتکاف کرنا ہوگا لیکن مولانا نے جو پروگرام بنایا تھا اس میں ہمت نگر کو مرکز بنا کر پورے شمالی گجرات کے تعلیمی مراکز کو دیکھنے اور عوام وخواص ہر طبقہ سے ملاقات کا لحاظ رکھا گیا تھا، اس کی پوری کوشش کی گئی تھی کہ کم وقت میں زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھایا جائے، اگرچہ مولانا سیف الدین صاحب ہی داعی تھے انہوں نے اپنے جامعہ کے معاملہ میں ایثار وقربانی سے کام لیا اور دوسرے مدارس کو زیادہ وقت دیا، یہ ان کی اعلیٰ ظرفی، کشادہ قلبی اور وسیع النظری کی دلیل ہے، اور ان کے سلیقہ مندی کی بھی، اس دس روزہ پروگرام میں وقت ایسا گذرا کہ احساس بھی نہیں ہوا، اس مبارک سفر کا خوشگوار اختتام گودھرا کے دارالعلوم پر ہوا جہاں محدث کبیر مفتی محمد ابراہیم صاحب، مہتمم مولانا عبد الستار صاحب اور عزیز گرامی مولانا اختر ندوی کی محبتوں اور عنایتوں سے فیضیاب ہوا اور احمد آباد سے وطن کے لئے روانگی ہوئی۔

اس سفر میں مجموعی طور پر قیام پانچ دن جامعہ امین القرآن میں رہا، اس کے علاوہ مولانا سیف الدین صاحب کی معیت اور رہنمائی میں احمد آباد، وڈالی، کیسر پور، اسلام پور، پٹن، کاکوسی، پالنپور، چھاپی، بناس کانٹھا، ماہی، ایلول اور گودھرا جانا ہوا، جن مدارس اور دینی مراکز کو دیکھنے اور وہاں کے اساتذہ وطلبہ سے گفتگو کا موقع ملا ہو وہ حسب ذیل ہیں:

جامعہ ابن عباس۔ دارالقرآن (احمد آباد)۔ جامعہ امین القرآن (پان پور ہمت نگر)۔ جامعہ امداد العلوم (وڈالی) جامعہ کنز مرغوب۔ جامعہ النور (پٹن) دارالعلوم جامعہ تذریہ (کاکوسی)۔ دعوۃ الحق (پالنپور)۔ مدرسہ جامعہ قاسمیہ (بناس کانٹھا)۔ مدرسہ اسلامیہ دارالعلوم (چھاپی)۔ دارالعلوم (ماہی)۔ دارالعلوم (گودھرا)۔

اس دورے سے سولہ سال قبل دارالعلوم فلاح دارین کے مہتمم مولانا عبد اللہ صاحب سورتی کی دعوت پر ترکیسر جانا ہوا تھا وہاں بھی جانے کا مقصد تعلیم و تربیت اور فن تدریس ونفسیات کے موضوع پر اساتذہ و طلبہ سے گفتگو اور تبادلہ خیال تھا، فلاح دارین میں مسلسل ایک ہفتہ قیام کے بعد مولانا عبد اللہ صاحب کی معیت اور رہنمائی میں راندیر، سورت، بھروچ کے تعلیمی مراکز کا دورہ کیا تھا، اس کے بعد چند سال قبل استاذ گرامی مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی کی معیت میں دارالعلوم ہانسوٹھ کے بانی ومہتمم مفتی عبد اللہ صدیقی کی دعوت پر حاضری ہوئی تھی۔ (باقی آئندہ)

□□□

☆☆☆

دعائے مغفرت

یکم شعبان ۱۴۲۴ھ کو جناب الحاج افتخار احمد صاحب جاج مئو، کانپور رحلت فرماگئے، تعمیر حیات کی اشاعت اور خیر کے کاموں میں مرحوم ہمیشہ پیش پیش رہے، رب کریم ان کی حسنات کو قبول فرمائے، ان کی مغفرت فرمائے اور ان کے پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

کاروانِ رفتگاں

☆ مولانا ہارون اسلام آبادی مہتمم جامعہ اسلامیہ پونیا چاٹگام بنگلادیش انتقال فرماگئے۔

☆ مولانا کلیم صدیقی ناظم جامعہ شاہ ولی اللہ پھلت کی ساس وفات پاگئیں۔

☆ محمد وسیم بھٹکلی معلم فضیلت دوم کی والدہ وفات پاگئیں۔

قارئین کرام سے مرحومین ومرحومات کے لئے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

اصلاح معاشرہ

کنیت اور لقب

مولانا محمد خالد ندوی غازیپوری

بچہ یا بچی کی ولادت کے بعد والدین کا ان کی طرف اب یا ام کی نسبت کے ساتھ پکارا جانا شرعاً درست ہے، یعنی اگر کسی کے یہاں بچہ پیدا ہوا اور اس کا نام عبد اللہ رکھا گیا تو اس بچہ کی نسبت سے باپ کو ابو عبد اللہ کی کنیت سے پکارا جانا صحیح ہے، اسی طرح ماں کو ام عبد اللہ کہا جانا بھی درست ہے۔

عربوں میں اس کا بہت رواج تھا، ہر ایک نام کے ساتھ اس کی کنیت اور لقب بھی رکھنے کا عام دستور تھا، بلکہ ایسا بھی ہوتا تھا کہ اس نام کا کوئی لڑکا نہ ہو تو پھر بھی اس نام سے کنیت کا عام چلن تھا، جیسے حضرت ابو بکر صدیقؓ یا حضرت عمر فاروقؓ جن کی کنیت ابو حفص تھی، حالانکہ نہ حضرت ابو بکرؓ کی اولاد بکر نام کی تھی، اور نہ ہی حفص نام کا حضرت عمرؓ کے یہاں کوئی بچہ تھا۔

البتہ اگر کوئی شخص اپنے بچہ کا نام محمد رکھے، اور اس کی کنیت ابو القاسم تجویز کرے تو اس سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے، لہذا بعض ائمہ ابو القاسم محمد، نام اور کنیت کو جمع کرنے کو پسند نہیں کرتے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ''تسموا باسمی ولاتکنوا بکنیتی ''میرا نام رکھو میری کنیت نہ رکھو، (بخاری) اور جو حضرات اس کے جواز کے قائل ہیں وہ یہ کہتے ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اشتباہ کی وجہ سے ممانعت کی گئی تھی لیکن آپ کی وفات کے بعد کسی کو ابو القاسم کی کنیت سے پکارا جانا ممنوع نہ ہوگا، اس ذیل میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اس حدیث سے بھی استدلال کرتے ہیں۔

ارایت ان ولد لی ولد بعد ک اسمیہ محمدا او اکنیہ بکنیتک؟ قال (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) نعم، قال علیؓ فکانت رخصۃ لی (ابوداؤد)

''حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے عرض کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کی وفات کے بعد اگر میرے یہاں کوئی بچہ پیدا ہو تو اس بچہ کو آپ کے نام اور کنیت سے پکارا جاسکتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں! تو میرے لئے اس کی اجازت تھی۔''

لیکن مناسب ہے کہ نام اور کنیت دونوں جمع نہ کئے جائیں، بلکہ ابو القاسم، صرف کنیت سے بھی پرہیز کرنا زیادہ مناسب ہے۔

عن جابر رضی اللہ عنہ قال ولد لرجل من الانصار غلام فسماہ محمدا فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ''احسنت الانصار تسموا باسمی ولاتکنوا بکنیتی انما انا قاسم اقسم بینکم، تسموا بی ولاتکنوا بکنیتی (مسلم)

''حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ ایک انصاری کے یہاں بچہ پیدا ہوا، انہوں نے اس بچہ کا نام محمد رکھا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کی تحسین فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا، میرا نام رکھو میری کنیت نہ رکھو، میں تمہارے درمیان قاسم تقسیم کرنے والا ہوں لہذا میرا نام رکھو میری کنیت (ابو القاسم) سے کسی کو نہ پکارو۔''

بعض روایتوں میں یوں بھی آتا ہے۔

اللہ یعطی وانا قاسم اقسم بینکم سموا باسمی ولاتکنوا بکنیتی، فانما جعلت قاسما اقسم بینکم (مسلم/۲۱۳۳)

''اللہ تعالیٰ عطا فرماتے ہیں اور میں تمہارے درمیان تقسیم کرتا ہوں، میرا نام رکھو، کنیت نہ رکھو، مجھے ہی قاسم بنایا گیا ہے تمہارے درمیان تقسیم کرتا ہوں۔''

اس سے یہ معلوم ہوا کہ قاسم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخصوص صفت ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم منبع ہدایت بھی ہیں، اور سرچشمۂ سعادت بھی، دین ودنیا کی سعادت آپ کی ذات والا صفات ہی سے وابستہ ہے، لہذا کسی اور کو ابو القاسم کہا جائے، مناسب نہیں ہے۔

لقب

کسی فرد کے اندر کوئی خاص صفت ہو یا کسی مخصوص اچھی صفت کے ساتھ کسی کو پکارا جائے، اور وہ نام کے علاوہ ہو تو اسے لقب کہتے ہیں، جیسے حضرت صدیق اکبرؓ کو عتیق، حضرت عمرؓ کو فاروق، حضرت علیؓ کو اسد اللہ، حضرت خالدؓ کو سیف اللہ کا لقب دربار رسالت سے ملا ہے، اس طرح اورنگ زیب عالمگیر کا لقب محی الدین تھا، اسی طرح کسی کو، چودھری، نیتا، استاذ کہنا بھی لقب میں شامل ہوگا، اچھے القاب سے پکارنا مستحسن ہے، لیکن برے القاب سے پکارنا قطعاً صحیح نہیں ہے، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

ولاتنابزوا بالالقاب (حجرات)

''کسی کو برے القاب سے نہ پکارو۔''

لہذا کسی کو ایسے الفاظ سے جس کے مفہوم میں تحقیر کا پہلو ہو، یا جس سے اس کے خاندان کی توہین ہوتی ہو، اس سے پکارنا صحیح نہ ہوگا، ایسا کرنے والا گنہگار ہوگا، حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ''تنابزوا بالالقاب'' سے مراد یہ ہے کہ کسی شخص نے کوئی گناہ یا برا عمل کیا ہو اور پھر اس سے تائب ہوگیا ہو اس کے بعد اس کو اس برے عمل سے پکارنا مثلاً چور، یا زانی یا شرابی وغیرہ، جس نے چوری، زنا، شراب سے توبہ کرلی ہو اس کو اسی پچھلے عمل سے عار دلانا اور تحقیر کرنا حرام ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

''جو شخص کسی مسلمان کو ایسے گناہ پر عار دلائے جس سے اس نے توبہ کرلی ہو تو اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لے لیا ہے کہ اس کے اسی گناہ میں مبتلا کرکے دنیا وآخرت میں رسوا کرے گا۔''

فقہ وفتاویٰ

فقہی سوال وجواب

مولانا مفتی محمد طارق ندوی

سوال: بجلی کی چوری کرنا کیسا ہے؟

جواب: چوری چاہے جس چیز کی ہو اسلام میں جائز نہیں ہے اس لئے بجلی کی چوری بھی جائز نہیں۔

سوال: تلاوت قرآن کے درمیان دنیاوی باتیں کرنا کیسا ہے؟

جواب: اگر کوئی ایسی فوری ضرورت پیش آگئی ہو جس کے لئے بات کئے بغیر چارۂ کار نہ ہو تو مختصر کرسکتا ہے، مگر جب تلاوت شروع کرے تو اعوذ باللہ الخ ضرور پڑھے۔

سوال: تلاوت کے درمیان سجدۂ تلاوت چھوڑ کر آگے بڑھ جانا کیسا ہے؟

جواب: قرآن مجید کی تلاوت کے درمیان صرف سجدہ کی آیت کو چھوڑ دینا اور آگے بڑھ جانا مکروہ ہے۔

سوال: وکالت کے ذریعہ حاصل شدہ رقم کا شرعاً کیسا حکم ہے؟

جواب: وکالت کے ذریعہ حاصل شدہ رقم کی صورت اگر یہ ہے کہ وکیل نے جھوٹ اور دھوکہ بازی سے کام نہ لیا، بلکہ اپنی بساط بھر اس نے صحیح مقدمہ لیا اور دیانتداری سے وکالت کی تو اس سے حاصل شدہ رقم حلال ہے اگر اس نے وکالت میں جھوٹ اور دھوکہ بازی کا سہارا لیا تو اس سے حاصل شدہ رقم لینا حرام ہے۔

سوال: اگر ایک شخص کی دو جگہ زمین و باغ داد ہو، ایک جگہ اس نے مستقل سکونت اختیار کی اور دوسری جگہ اس کے بھائی رہتے ہوں تو آیا وہ دونوں جگہ مقیم ہوگا یا صرف اس جگہ جہاں اس نے مستقل سکونت اختیار کی ہے؟

جواب: جس جگہ اس کے بھائی وغیرہ رہتے ہوں وہاں اگر اس نے مستقل قیام کی نیت نہ کی ہو تو وہ وہاں مسافر کے حکم میں ہوگا، اور جہاں خود سکونت اختیار کرلی ہے وہاں وہ مقیم کے حکم میں ہوگا، لہٰذا بھائی کے یہاں اگر پندرہ دن سے کم رہنے کا ارادہ کرے تو قصر کرے گا اور جہاں خود مستقل رہتا ہے وہاں پوری نماز پڑھے گا۔

سوال: ایک شخص جان بوجھ کر قعدہ اولیٰ کے تشہد کو چھوڑ دے تو سجدہ سہو سے اس کی تلافی ہوجائے گی یا نہیں؟

جواب: جان بوجھ کر قعدہ اولیٰ کے تشہد چھوڑ دینے کی صورت میں سجدۂ سہو سے اس کی تلافی نہیں ہوگی بلکہ نماز کا اعادہ لازم ہے۔

سوال: بغیر وضو کے تفسیر قرآن چھو سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب: بغیر وضو کے تفسیر قرآن نہیں چھو سکتے ہیں۔

سوال: کیا تیمم کر کے تفسیر قرآن چھو سکتے ہیں؟

جواب: نہیں چھو سکتے ہیں۔

سوال: اگر کوئی شخص مغرب، عشاء اور فجر کی نماز قضا کریگا تو پہلی دو رکعتوں میں قرأت جہراً کریگا یا نہیں؟

جواب: مذکورہ صورت میں رات کے وقت دونوں طریقے اختیار کرسکتا ہے قرات چاہے سراً کرے یا جہراً۔

سوال: اگر کوئی شخص سری نماز میں قرأت جہراً کردے یا جہری نماز میں قرأت سراً کرلے تو سجدۂ سہو سے اس کی تلافی ہوجائے گی یا نہیں؟

جواب: مذکورہ صورت میں وہ شخص اگر امام ہے تو چھوٹی تین آیت یا بڑی ایک آیت سری نماز میں جہراً یا جہری نماز میں سراً پڑھ دے تو سجدۂ سہو لازم ہے۔

سوال: اگر کوئی شخص دل میں قرأت کرے تو نماز ہوگی یا نہیں؟

جواب: مذکورہ صورت میں نماز نہیں ہوگی بلکہ قرأت میں حروف کی ادائیگی زبان سے ضروری ہے۔

سوال: کسی شخص نے اپنی اہلیہ کو ایک یا دو طلاقیں دیں تو عدت کے اندر رجوع کرسکتا ہے یا نہیں اور تین طلاقیں دینے کی صورت میں کیا حکم ہے؟

جواب: ایک یا دو طلاقیں دینے کی صورت میں شوہر عدت کے اندر رجوع کرسکتا ہے تین طلاق کی صورت میں رجعت یا تجدید نکاح ممکن نہیں ہے۔

سوال: بدن کے جن حصوں کا نماز میں چھپانا فرض ہے ان میں سے کسی کا چوتھائی حصہ اتنی دیر تک کھلا رہے جتنی دیر میں تین مرتبہ سبحان اللہ کہہ سکیں تو کیا نماز ہوجائے گی؟

جواب: مذکورہ صورت میں نماز فاسد ہوجائے گی درست نہیں ہوگی۔

سوال: اگر کوئی شخص آیت سجدہ نماز میں پڑھے اور فوراً رکوع کرلے تو سجدۂ تلاوت ادا ہوجائے گا؟

جواب: نماز میں آیت سجدہ پڑھنے کے فوراً بعد آیت سجدہ کی نیت کرتے ہوئے رکوع کرلے تو سجدۂ تلاوت ادا ہوجائے گا۔

سوال: ایک آیت سجدہ اگر ایک ہی مجلس میں کئی بار پڑھی جائے تو صرف ایک بار سجدہ واجب ہوتا ہے یا متعدد بار؟

جواب: ایک آیت سجدہ ایک مجلس میں متعدد بار پڑھی جائے تو صرف ایک ہی سجدہ واجب ہوتا ہے۔

سوال: جو حضرات مستحق زکوٰۃ ہیں وہ دعوت کریں تو دعوت قبول کرسکتے ہیں یا نہیں؟

جواب: مستحق زکوٰۃ حضرات کی دعوت قبول کرسکتے ہیں اس میں کوئی قباحت نہیں خواہ ان کی دعوت زکوٰۃ ہی کے پیسہ سے کیوں نہ ہو۔

سوال: اگر ایک ہی مقتدی ہے تو امام کے کس جانب کھڑا ہوگا؟

جواب: مقتدی ایک ہی ہو تو وہ امام کے دائیں جانب کھڑا ہوگا۔☆☆☆

مولانا عبداللہ عباس ندوی کی تازہ تصنیف:

قرآن کریم - تاریخ انسانیت کا سب سے بڑا معجزہ

قیمت: -/200

ملنے کا پتہ:

دارالعلوم سبیل السلام مدینۃ العلم حیدرآباد۔

مکتبہ ندویہ، ندوہ، لکھنؤ۔

اہل خیر حضرات کی خدمت میں

رمضان المبارک میں آپ سے خصوصی تعاون حاصل کرنے کی غرض سے درج ذیل محترم اساتذہ، سفراء اور محصلین حضرات آپ کی خدمت میں حاضر ہورہے ہیں آپ سے درخواست ہے کہ آپ اللہ واسطے بھرپور تعاون فرمائیے، جزاکم اللہ خیرا الجزاء۔

(مفتی) محمد ظہور ندوی
ناظر شعبۂ تعمیر وترقی ندوۃ العلماء، لکھنؤ

۱- جناب مولانا شمس الحق ندوی صاحب	استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ	سرپرست ممبئی
۲- مولانا قاری فضل الرحمٰن ندوی صاحب	استاذ شعبہ حفظ دارالعلوم	〃 〃
۳- مولانا عبدالشکور ندوی صاحب	استاذ معہد دارالعلوم سکروری	〃 〃
۴- حافظ عبدالواسع صاحب	استاذ شعبہ حفظ دارالعلوم	بھیونڈی، مالیگاؤں
۵- مولانا محمد اسماعیل صاحب	استاذ معہد سیدنا ابوبکر صدیق مہپت مئو،	〃 〃
۶- مولانا محمد اسلم مظاہری صاحب	استاذ دارالعلوم	مدراس، وجے واڑا
۷- مولانا سلیم اللہ ندوی صاحب	استاذ دارالعلوم	شموگہ، بھٹکل، منگلور
۸- مولانا حافظ ظفر الحسن صاحب	صدر شعبہ حفظ دارالعلوم	سورت، دھولیہ بلسار
۹- مولانا حافظ عقیل صاحب	استاذ شعبہ حفظ	حیدرآباد شہر
۱۰- مولانا حافظ ہاشم صاحب	〃 〃	اورنگ آباد، جالنہ، پونہ، احمد نگر
۱۱- مولانا رشید احمد ندوی صاحب	استاذ دارالعلوم	بنگلور شہر
۱۲- مولوی محمد زہیر احسن ندوی صاحب،	استاذ معہد سکروری	〃 〃
۱۳- مولانا محمد مستقیم ندوی صاحب	استاذ ومعاون قاضی دارالقضاء ندوۃ العلماء	کلکتہ، آسنسول، بردوان
۱۴- مولانا محمد اکرام صاحب	محصل دارالعلوم ندوۃ العلماء	〃 〃
۱۵- مولانا حفظ الرحمٰن ندوی صاحب	استاذ دارالعلوم	کانپور
۱۶- مولانا قاری عبداللہ خان ندوی صاحب	استاذ شعبہ قرأت	دہلی
۱۷- مولوی عبدالرشید ندوی صاحب	استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء	دہلی
۱۸- مولانا قیصر حسین ندوی صاحب	استاذ دارالعلوم	پالن پور، پٹن، جوناگڑھ، گجرات واطراف
۱۹- مولانا محمد سلمان خاں ندوی صاحب	استاذ معہد سکروری	الہ آباد شہر
۲۰- مولانا محمد عظیم خاں ندوی صاحب	استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء	گونڈہ، بہرائچ، بلرامپور وغیرہ
۲۱- مولانا مجیب اللہ قاسمی صاحب	محصل شعبہ تعمیر وترقی ندوۃ العلماء	اندور واطراف
۲۲- مولانا محمد شرف الدین ندوی صاحب	〃 〃	ناگپور، بھوپال مئو واطراف
۲۳- حافظ عبدالمبین صاحب	〃 〃	سیتاپور، کانپور
۲۴- مولوی علیم اللہ صاحب	〃 〃	علی گڈھ، آگرہ، مرادآباد، فیروزآباد وغیرہ
۲۵- مولانا حفظ الرحمٰن احمد تھانوی صاحب	〃 〃	جھارکھنڈ، آسام وغیرہ
۲۶- مولانا عبدالقدوس صاحب قاسمی	〃 〃	بنارس، بھدوہی، مرزاپور، امبیڈکر نگر
۲۷- مولانا عبدالعزیز ندوی صاحب	〃 〃	کرناٹک، گلبرگہ، بلگام، بیجاپور
۲۸- مولانا محمد رضوان قاسمی صاحب	〃 〃	صوبہ گجرات
۲۹- مولانا ناصر الدین ندوی صاحب	استاذ معہد سیدنا ابوبکر صدیق	سندیلہ، ٹھوٹ گنج، (ہردوئی)
۳۰- مولوی بشیر الدین صاحب	استاذ مکتب شہر شاخ ندوۃ العلماء	شہر لکھنؤ
۳۱- حافظ مبین احمد صاحب	〃 〃	شہر لکھنؤ
۳۲- قاری ہدایت اللہ صاحب	استاذ معہد دارالعلوم سکروری	شہر لکھنؤ
۳۳- مولوی جواد الحسن ندوی صاحب	استاذ مکتب شاخ دارالعلوم	کھگڑیا، مظفرپور، دربھنگہ واطراف اضلاع بہار
۳۴- مولوی محمد ثاقب صاحب	دفتر نگران اعلیٰ دارالعلوم	شہر لکھنؤ

قزاقستان کا ایک سفر

عالمی قومی روایتی مذاہب کانفرنس

مولانا سید سلمان حسینی ندوی

درج ذیل کانفرنس کا سرکاری عنوان تھا جس کا انعقاد حکومت قزاقستان نے بتاریخ ۲۳/۲۴ ستمبر ۲۰۰۳ء اپنے نئے زیر تعمیر شہر "آستانہ" میں کیا۔

شہر "آستانہ" جو پہلے چھوٹا سا غیر معروف اور غیر اہم شہر تھا، اب ایک ترقی یافتہ بین الاقوامی طرز معیار کا دارالسلطنت بنتا جارہا ہے، کئی کئی منزلہ عمارتیں، چوڑی سڑکیں بلند و بالا یادگار ہیں، قصر صدارت، پارلیمنٹ، متعدد وزارتوں کی عمارتیں، ایک قدیم جامع مسجد، جس کی ابھی تین سال پہلے از سر نو عالیشان تعمیر ہوئی، سفید مرمر سے اس کی دیواروں کو مزین کیا گیا، چار چھوٹے چھوٹے میناروں اور ایک اونچے مینارے اور ارد گرد وسیع پلیٹ فارم، پارکوں اور چمن زاروں سے اسے سجایا گیا ہے، اور ایک مسجد شہر کی اہم ترین وزارتی عمارتوں اور ۵۹۷ میٹر بلند سفید پاش والے لوہے کے گلدستہ نما ڈھانچہ پر کرہ ارض کے نقشہ کے مطابق تین منزلہ عمارت جو قزاقستان کی ترقی کا ایک نشان ہے کے قریب اپنی وسعتوں عظمتوں اور رفعتوں کے ساتھ ترکی طرز پر زیر تعمیر ہے۔

اسی شہر "آستانہ" جو آستانہ عالیہ اور باب عالی کی یادیں بھی تازہ کرنے کا کام کرسکتا ہے، میں سلطنت سرائے یعنی کانفرنسوں کے "قصر شاہی" میں یہ گول میز کانفرنس منعقد ہوئی، جس کی عمارت نفاست و دلکشی کے ساتھ عظمت و جلال بھی رکھتی ہے اور اس کے چاروں طرف خوبصورت روشوں، پارکوں، چمن زاروں اور فواروں نے ایک عجیب دلربائی پیدا کررکھی ہے۔

اس کانفرنس میں شرکت والے وفود سعودی عرب، مصر، ترکی، امریکا، جاپان، برطانیہ، اٹلی، چین، روس، منگولیا، ایران اور ہندوستان سے آئے تھے۔

حکومت قزاقستان سے صدر مملکت نور سلطان نظر بایسیف نہ صرف تشریف لائے بلکہ صدارت جلسہ انہیں کو سونپی گئی، حکومت کو اسٹیٹ سیکریٹری، صدر مملکت کی مجلس انتظامیہ کے ناظم اعلیٰ، پارلیمنٹ سینٹ Senate کے نائب صدر، اور پارلیمنٹ کی مجلس کے نائب صدر، صدر مملکت کے سیکریٹری، امارات میں قزاقستان کے متعین سفیر، وزیر اطلاعات آستانہ کے میئر، صدر کے سیکوریٹی چیف، صدر کے ناظم پروٹوکول صدر کے پریس سکریٹری، صدر کی بین المذاہب انتظامیہ کے صدر نائب وزیر خارجہ، نائب وزیر ثقافت (Culture) صحافتی خدمات کے چیرمین، شعبۂ داخلی امور کے صدر، صدر مملکت کے دفتر کے نائب ناظم، وزیر اعظم کے دفتر شعبۂ سماجی و ثقافتی ترقی کے صدر، صدر کی صوبائی انتظامیہ کے نگراں، دینی تنظیموں سے متعلق کونسل کی سکریٹریٹ کے ناظم، قزاقستان کی مجلس اقوام کے نائب صدر ــــــ یہ حکومت کے نمائندے تھے، حکومت ہی کے دوسرے نمائندے مسلمانان قزاقستان کے دینی انتظامیہ کے ذمہ دار تھے، ان کی تفصیل کچھ اس طرح ہے:

شیخ عبدالستار درویش علی	صدر ادارہ اور رئیس المفتین
شیخ محمد حسین السبیی کوف	ناظم ادارہ اور صدر مفتی
ارکان دانوف	ناظم ادارہ اور صدر مفتی (کسی دوسرے علاقہ میں)

ان کے ساتھ آستانہ کے صدر امام المانی کی مسجد "تستاک" کے صدر امام۔

عنوان میں عالمی، قومی، اور روایتی کے الفاظ منتظمین نے سوچ سمجھ کر رکھے تھے، تاکہ چھوٹے، مقامی، اور قریبی دور کے مذاہب نہ داخل ہوسکیں "قومی" کا لفظ آرتھوڈکس چرچ کے نمائندہ کے اعتراض کے بعد نکال دیا گیا، دلیل یہ تھی کہ مذاہبیت قومیت نہیں سکھاتا، انسانیت سکھاتا ہے۔

مذاہب عالم کی نمائندگی اس طرح تھی:

روس کے آرتھوڈکس چرچ کی نمائندگی (Mefody Nemtsoy)، آستانہ اور الاتی کے چرچوں کے ذمہ دار، اور بشپ Feofan اور ماسکو پیٹریارک کلیسائی خارجی تعلقات کے شعبہ کے نائب صدر Archimandrite Mark اور روس مین المذاہب کونسل کے سکریٹری عاملہ Mr.Roman Silantiev کررہے تھے۔

استانبول کے آرتھوڈکس چرچ کی نمائندگی عمانویل Emmanuel، فرانس کے کلیساؤں کے صدر، اور یوروپین یونین آرتھوڈکس چرچ کے ڈائرکٹر انجام دے رہے تھے۔

عالمی لوتھرن وفاق کی نمائندگی، اس عیسائی اصلاحی تنظیم کے جنرل سکریٹری اسماعیل نوکو Ishmael Noko اور بشپ پیٹر پوری کررہے تھے۔

چرچ آف انگلینڈ سے کوانٹن کے بشپ نیکولس بینس Nicolas Baines اور کنٹربری آرک بشپ سکریٹری کنان جوناتھن Canon Johathan شریک ہوئے۔

یہودیوں کی نمائندگی مندرجہ ذیل افراد نے کی:

جونا مسگر Jona Metsger اسرائیلی یہودی ربیوں کا چیف اڈولف چیوچ Adolf Schaeyich، روس کا چیف ربی الکزانڈر سیکوچ Alexander Machkevitch، یوریشین یہودی کانگرس کا صدر البرٹ گوگل نگی Albert Guigul، بلجیم کا چیف ربی دایان اسحاق Dayan Izhak، سوئزرلینڈ کا چیف ربی ابراہیم روز Abraham Rose، ربیوں کی یونین کونسل کا صدر اشعیا کوئن Eshaya Koen، قزاقستان کا چیف ربی میر روزنطل Meir Rosental، چیف ربی کا آفس انچارج پلس ولادیمیر Pliss Vladimir، دفتر

علاقات عامہ کا صدر چیم نسان اسٹیٹ Chaim Nisan، موشی کون Moshe Koen، قزاقستان کے چیف ربی کا نمائندہ یوناتن بن دور Yonatan Bin Dor، یوروشین یہودی کانگریس کا نمائندہ بورس کپسر مین Boris Kupsermann، ترجمان اوسنین فائڈر Osinin Fiodor، ڈائرکٹر عاملہ یوروشین یہودی کانگریس پروز گورین یرکی Proskurin Yurki، کانگریس کا چیف کوآرڈینیٹر۔

یہ بھی ذہن میں رکھئے کہ روسی آرتھوڈکس چرچ کا وفد شامی علماء کی طرح مکمل داڑھیوں کے ساتھ کالی عبائیں پہنے اور سفید و کالی گول لمبی ٹوپی لگائے تھا، ٹوپیوں کے پیچھے ٹوپیوں کے ساتھ سلا ہوا، کمر تک دوپٹہ کی طرح کپڑا لٹک رہا تھا یہودی وفد کا سربراہ، پینٹ اور لمبے کوٹ اور ہیٹ میں ملبوس تھا، چہرے پر دونوں طرف خشخشی اور سامنے لمبی داڑھی تھی، دیگر افراد کوٹ پینٹ میں ملبوس اور سر پر بلکہ چندیا پر چھوٹی سی چالی دار کالی ٹوپی پہنے تھے۔

ویٹیکان کا وفد بڑا قد آور اور کالی عباؤں میں ملبوس تھا، سر پر لال ٹوپی، اور کمر پر لال پٹکے جن کے کنارے ایک ساتھ لٹکتے ہوئے۔

کارڈینال جوزف وفد کی قیادت کررہے تھے، جو عیسائی کلیسائی کونسل کے صدر ہیں، سکریٹری، ناظم الامور قزاقستان میں ان کے نمائندہ، اور آستانہ کے بڑے کلیسا کے ذمہ دار اور ویٹیکان اسٹیٹ کے سیکریٹری شامل تھے۔

چین کے بدھسٹ وفد کی آمد Jamyang نائب صدر، چائنا بدھسٹ ایسوسی ایشن کی قیادت میں ہوئی تھی۔

ان کے ساتھ دینی امور کے نائب صدر، اور ایسوسی ایشن کے ایک اور نائب صدر اور دیگر اہم ذمہ داران کی تعداد مجموعی طور پر پندرہ تھی۔

چین کی ٹوائسٹ تنظیم Taoist Association کی قیادت ژانگ جیو Zahang Giyu تنظیم کے نائب صدر کررہے تھے، ان کے ساتھ ایک اسکالر تھے۔

منگولیا الشین بدھسٹ کانفرنس برائے امن کی نمائندگی اس کے جنرل سکریٹری T.Bulgan کررہے تھے، ان کے ساتھ تین نمائندے اور تھے۔

یہ دونوں وفد چادروں میں ملبوس تھے۔

جاپان سے دو وفد تھے، ایک شنتو پوجا گھروں کا نمائندہ جس کی قیادت فرقہ کے صدر، مونورو سونودا Minoru Sonoda کررہے تھے، یہ پانچ افراد پر مشتمل تھا۔

جاپان کا ایک سیاسی وفد تھا، جس کی قیادت جاپان کے سابق وزیر اعظم سوتومو ہاتا Tsutumohata کررہے تھے، ان کے ساتھ تین افراد مزید تھے،

امریکا سے "مذہب اور پبلک پالیسی انسٹی ٹیوٹ" کے صدر جوزف گریبوسکی Jozeph Griboski آئے تھے۔

اقوام متحدہ سے سکریٹری جنرل کوفی عنان کا پیغام لے کر ان کے نمائندہ ولادیمیر سوتی روف Vladimir Sotirov حاضر ہوئے تھے۔

ہندوستان کے ہندوؤں کی نمائندگی Indological Research Institute & Interfith Dialogue کے صدر شانتی لال سوریا جی کررہے تھے، جو سوٹ بوٹ میں تھے۔

مدھاو چاریہ مولانا ہاسنستھان کی طرف سے شری سکیندر ریتر تھا سوامی نمائندہ تھے، جو گیروے رنگ کی چادر اوڑھے تھے، پیر میں کھڑاؤں، ماتھے پہ لمبا ٹیکا۔

کرشنا بین الاقوامی سوسائٹی کے ڈائرکٹر سوامی مہانترا داس اپنی تنظیم کے نمائندہ تھے۔

راشٹریہ سنسکرت سنستھان کے ڈائرکٹر ویمپائی کتھا شاستری بھی وفد کے ایک فرد تھے، اور بطور ایکسپرٹ دو دن پہلے ہمارے ساتھ ہی ماسکو ہوتے ہوئے آستانہ پہونچے تھے،

سنسکرت اور ہندوستانی ثقافت کے مطالعاتی مراکز کے ڈائرکٹر کالا دھنجایا اچاریہ بھی تھے، باقی چھ افراد "سوامیوں" کے چیلے تھے۔

مسلم وفد میں سرفہرست شیخ الازہر، جن کے ساتھ ان کے مترجم سلامۃ البابلی تھے۔

شاہ فہد کے نمائندہ وزیر عدل وانصاف ڈاکٹر عبداللہ بن محمد بن ابراہیم آل الشیخ شاہ کا پیغام لے کر آئے تھے ان کے ساتھ ان کے مشیر عصام آل الشیخ، سکریٹری یوسف الحربی، دوسرے سکریٹری ریاضیکل تھے۔

صدر مصر حسنی مبارک کا پیغام لے کر مصر کے وزیر اوقاف ڈاکٹر محمود حمدی زقزوق تشریف لائے تھے۔

رابطہ عالم اسلامی کا وفد جنرل سکریٹری ڈاکٹر عبداللہ ترکی کی قیادت میں آیا تھا، اس میں ڈاکٹر عبداللہ علی محمد، شعبۂ تحقیق وتعاون، اور بین الاقوامی تعلقات کے مشیر، ڈاکٹر حسن بن علی الاہول ثقافتی امور اور ذرائع ابلاغ کے مدیر عام۔ ولید عمر الحسین سکریٹری جنرل کے آفس انچارج (مدیر عام)، رحمۃ اللہ احمد، صدر شعبۂ تحقیق وتعاون وبین الاقوامی تعلقات۔

پاکستان سے وفد ڈاکٹر محمود احمد غازی کی سربراہی میں آیا، جو بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد کے نائب صدر ہیں، ان کے ساتھ وفد کے ارکان حسب ذیل تھے۔

علامہ احمد حسین اکبر، مہتمم جامعہ منہاج الحسین، اور اسلامی نظریاتی کونسل کے سابق ممبر، قاری روح اللہ مدنی، سابق صوبائی وزیر اوقاف، مفتی صاحب الرحمن، مہتمم دارالعلوم نعیمیہ، چیرمین رویت ہلال کمیٹی، ڈاکٹر غلام محمد جعفر، بلوچستان یونیورسٹی کے شعبۂ اسلامیات کے چیرمین، ڈاکٹر محمد سہیل عمر، ڈائرکٹر اقبال اکیڈمی۔

ایران سے کمیٹی برائے قانون اسلامی کے چیرمین مہدی ہادوی مقدم سربراہ وفد تھے انہوں نے صدر خاتمی کا پیغام بھی سنایا، ان کے ساتھ تین ممبران اور تھے۔

ہندوستان سے آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے صدر مولانا محمد رابع حسنی ندوی کو بلایا گیا تھا اور ان کو اختیار دیا گیا تھا کہ تین مؤقر شخصیات وفد میں مزید شامل کرلی جائیں، مولانا نے محترم نے مولانا نظام الدین صاحب امیر شریعت بہار و اڑیسہ اور مولانا عبدالکریم

پاریکھ صاحب مفسر قرآن اور غیر مسلموں سے خطاب میں اپنی انفرادیت رکھنے والے، خازن مسلم پرسنل لا بورڈ کا انتخاب فرمایا اور میرا اپنی معاونت کے لئے انتخاب فرمایا۔

پھر قزاقستان کے سفارت خانہ، دہلی سے یہ مطالبہ کیا گیا کہ وفد کے ایک نمائندہ کو ۱۸-۱۹ تاریخ کو بھیج دیا جائے جس کو تجاویز پر مذاکرہ میں شرکت کرنا ہوگی، تاکہ تمام وفود کے نمائندگان پہلے سے قراردادوں اور تجاویز کا مختصر نامہ تیار رکھیں اور کانفرنس اس مذاکرہ میں مشغول ہو کر نہ رہ جائے، اس پیش سفری کے لئے قرعہ فال من دیوانہ کے نام نکلا، اخیر اخیر وقت میں معلوم ہوا کہ مولانا پاریکھ صاحب علیل ہیں مولانا عبداللہ عباس صاحب ندوی کا نام تجویز ہوا، وہ بعد میں مکہ مکرمہ تشریف لے گئے، مولانا رابع صاحب (جو اصلاً وفد کے سربراہ تھے) کا پاسپورٹ برائے تجدید پاسپورٹ آفس میں تھا، متعین تاریخوں میں اس کا ملنا ناممکن ہو گیا، مولانا نظام الدین صاحب بیمار و کمزور تو ہیں ہی، صدر بورڈ کے سفر ملتوی کرنے پر انہوں نے بھی التواء کا فیصلہ کر لیا، اب تو سفر مجھے اکیلے کرنا ہی تھا، وہاں بھی اکیلے پورے وفد کی قائم مقامی کرنا تھا، تنظیم تعلیم و دعوت دہلی کے سیکریٹری مولوی محمد عاصم ندوی کے لئے سفارت خانہ کے سیکریٹری سے سفارش کر کے سفر طے کیا، لیکن ۲۲ر کو ایک وفد کے ساتھ دہلی سے الماتی آ گئے، تو ایسے بیمار پڑے کہ بمشکل ہمارے ساتھ ۲۷ر ستمبر کو پھر دہلی واپس ہو سکے۔

سوال یہ ہے کہ حکومت قزاقستان کو ایسی کانفرنس کا کیوں خیال آیا؟ کیا مقاصد تھے؟ موجودہ حالات کے تناظر میں اسکی کیا اہمیت تھی؟

اس کو سمجھنے کے لئے قزاقستان کو سمجھنا پڑے گا، قزاقستان ان ممالک کی فہرست میں ایک وسیع رقبہ والا ملک ہے جن پر قیصر روس کے مظالم کے بعد ۱۹۱۷ء سے روسی کمیونزم کے خوفناک، دل دہلا دینے والے مظالم شروع ہوئے، جنہوں نے صرف قزاقستان میں تقریباً تیس لاکھ افراد کو لقمۂ اجل بنایا، روسی کمیونزم کا عیارانہ انقلاب جس کی دنیا میں بڑی شہرت ہوئی، اور جس کے متعلق لگاتار بولے جانے والے جھوٹ نے اچھے خاصے عقلاء کی عقلیں بھی ماردیں، اور انہیں ہر سیاہ و سفید دکھایا گیا، دھیرے دھیرے وہ ایک ایسا خونی، بھیانک اور درندہ صفت بلکہ درندوں کو شرما دینے والا ثابت ہوا جس نے دین و مذہب اور اس کے متعلق ہر چیز کو اپنے ظلم و بربریت کا نشانہ بنایا، چن چن کر اس ابلیسی جہنمی لعنتی نظام نے ہر دیندار کو، دین سے نسبت رکھنے والے کو بڑی بے دردی اور سنگدلی سے مارا، ازبکستان، تاجکستان، کرغزستان، ترکمانستان، قزاقستان، آذربیجان، تاتارستان، چیچنیا اور نہ معلوم کتنے ملکوں اور صوبوں کے انسانوں کو مہیب جنگل کے اس بھیڑیئے نے پھاڑ کھایا، کتنوں کو اس سفید ریچھ نے نوچا، کتنوں پر اس کے کالے باؤلے کتے بھونکے، ایک ایسی ڈراؤنی، ہیبتناک اور وحشیانہ کہانی ہے جس کا سین شاید آسمان نے چنگیز و ہلاکو کے دور میں بھی نہ دیکھا، اور زمین نے شاید اتنا خون کبھی نہ پیا، حیرت ہے کہ پھر بھی کمیونزم مزدوروں کی آواز اور کمزوروں کا انقلاب، اور سرمایہ داروں پر ضرب کاری، اور ظلم کے خلاف صدائے بھاری کتنے شعراء ادباء، مفکرین اور مؤرخین کے ذہنوں میں بنا رہا۔

جی ہاں قزاقستان میں ایک یادگار ستون ایک پہاڑی پر قائم کیا گیا، جس کی ایک ایک چٹان پر موٹے حروف سے ان علاقوں کے نام لکھے گئے ہیں، جہاں کی کوشش حریت و آزادی کو بغاوت کا نام دے کر کمیونزم کے اژدھے نے ۱۹۱۶ء سے ۱۹۵۶ء تک تیس لاکھ انسانوں کی جانیں لے لیں، لیکن ..... افسوس ..... روس بالیں ہمہ آج قزاقستان کا دوست اور سرپرست ہے۔

وسطی و شمالی ایشیاء کا یہ پورا علاقہ پہلی صدی ہی میں مشرف بہ اسلام ہو گیا تھا، سب سے بڑی آبادی اس پورے علاقہ کے مسلمانوں کی ہی تھی، حکومتیں ان ہی کی تھیں، لہٰذا اس ظلم کا سب سے بڑا حصہ انہیں کو دیا گیا، کوئی کوشش ان کو مٹانے کی اور مسلمانوں کی شخصیت کو بالکل ملیامیٹ کر دینے کی چھوڑی نہ گئی، عیسائیت اور بعض دیگر مذاہب بھی زد پر آئے، لیکن ان کا حصہ نہ صرف بقدر جثہ تھا، بلکہ اس سے بھی بہت کم۔

۱۹۹۱ء میں جب کمیونزم ذلت کی موت مرا تو مذہب کی دنیا میں سب سے زیادہ خوشی منائی گئی، اور طبعی طور پر وسطی ایشیا کے مسلمانوں کو بہت مسرت ہوئی اور مستقبل امیدوں کے ساتھ جھلکنے لگا، لیکن جلد ہی کٹھ پتلی حکومتوں نے جو کمیونزم کے دور کی یادگار اور بقایا، بلکہ ان کا ایک گندہ و ناپاک تلچھٹ ہیں، طرح طرح کے مکر و فریب اور ظالمانہ اور استبدادی ہتھکنڈوں سے پھر اسی طرح کا ماحول بنانا چاہا، دوسری طرف ابلیسی جھنڈا کمیونزم کے ہاتھوں سے جیسے ہی گرا، نور اُپرانے سامراجی، سرمایہ داری کے ٹھیکیدار، آدم خور تہذیب کے علمبردار برطانیہ اور امریکا نے بڑھ کر اسے سنبھال لیا، اور پھر نئے نعروں اور جنگی قوانین کے ذریعہ پرانا کھیل شروع کر دیا گیا۔

قزاقستان ایک بڑا ملک ہے، شمال سے جنوب وہ ۱۶۰۰ کلومیٹر پر پھیلا ہوا ہے۔ اور مشرق سے مغرب ۲۸۰۰ کلومیٹر سے بڑا اسکا رقبہ ہے، کل رقبہ ۲۷۱۷۳۰۰ مربع کلومیٹر ہے، اس کے شمال میں روس ہے، مشرق میں چین، کرغزستان، ازبکستان، اور ترکمانستان، جنوب میں پڑتے ہیں، بحر قزوین مغرب کی حیثیت میں ہے، سرحدوں کی لمبائی ۱۵۰۰۰ کیلومیٹر ہے، ملک کا ایک بڑا علاقہ سرسبز و شاداب ہے، بہت بڑا حصہ صحرائی اور ریگستانی بھی ہے، برف پوش پہاڑیوں کا بھی ایک طویل و عریض سلسلہ ہے، سردی، ۳۵ سینٹی گریڈ نیچے تک، اور گرمی ۴۰ سینٹی گریڈ اوپر تک جاتی ہے، سب سے بڑا ذریعۂ آمدنی زراعت ہے، پھر مویشی اور اب پٹرول اور گیس پر توجہ دی جا رہی ہے، جس سے ملک معاشی ترقی کی طرف تیزی سے بڑھ رہا ہے، زراعتی سامان اور کپڑے کی صنعت ہے تو لیکن بہت ترقی یافتہ نہیں۔

بتاریخ ۱۶ر دسمبر ۱۹۹۱ء قزاقستان کی پارلیمنٹ نے ملک کے اقتدار اعلیٰ کے ارتکاز کا فیصلہ کیا، ملک کا سکہ "تنگا" کہلاتا ہے جو ایک ڈالر کے عوض ۱۵۰ ملتا ہے ملک میں تقریباً ۱۳۰ قومیں رہتی ہیں، جن میں قزاق ۵۰٪ سے

اوپر ہیں، روسی ۳۰٪، ماتی یوکرینی، جرمن، ازبک، بیلاروسی، آذربیجان، کورین، اور دیگر قومیتیں ہیں۔

قانون سب کے لئے یکساں حقوق اور آزادی کا ضامن ہے قزاق زبان حکومت کی اصل زبان ہے، روسی زبان بھی سرکاری اداروں میں قزاق کی طرح استعمال ہوتی ہے، دیگر زبانوں کی تعلیم کا بھی اہتمام ہے، جہاں کسی زبان کے لوگ بڑی تعداد میں رہتے ہوں تعلیم اور سرکاری دفاتر میں وہاں کی مقامی زبان استعمال کی جا سکتی ہے۔

قزاقستان میں ۴۰ مذاہب یا مذہبی اکائیاں ہیں مذاہب کے درمیان خیر سگالی کے تعلقات حکومت کی اہم ترین پالیسی ہے، مذہب کی آزادی ہے، اور مذہبی اداروں کے قیام کی اجازت ہے، لیکن کسی انتہا پسند، تشدد، اور دہشت گرد تنظیم کی کسی حالت میں اجازت نہیں ہے، حکومت مذہبی اداروں کو سماجی ڈھانچہ کا ایک حصہ مانتی ہے اور مذاہب کے مابین تعلقات اور مذاکروں کی ہمت افزائی کرتی ہے، قزاقستان کی مجالس اقوام میں مذہبی رہنماؤں کو موقع دیا جاتا ہے، یہ مجالس جمہوریت اور سول سوسائٹی کے فروغ کے لئے کام کرتی ہیں، اور مذاہب کے درمیان خوشگوار تعلقات کی فکر کرتی ہیں، قزاقستان میں مذہبی لوگ تشدد اور تعصب کو پسند نہیں کرتے، جب پاپائے روم قزاقستان کے دورہ پر آئے تو نہ صرف کیتھولک عیسائیوں نے ان کا خیر مقدم کیا بلکہ دیگر مذاہب کے لوگوں نے بھی ان کو خوش آمدید کہا۔

قزاقستان کے ہر شہر میں مسجد، کلیسا، گرجا، اور عبادت خانے آپ کو نظر آئیں گے، قزاقستان پہلا مسلم ملک ہے جہاں پچھلے سالوں میں ۱۰ Synagogues یہودی کلیسا تعمیر ہوئے ہیں۔

۳۰۳۶ مذہبی تنظیمیں ملک میں موجود ہیں، جب کہ ۱۹۹۰ء میں ان کی تعداد صرف ۶۱ تھی، اس وقت ۶۹، ۱۶ مسلم تنظیمیں، ۲۴۶ آرتھوڈکس ۸۱ کیتھولک، ۲۳ یہودی، اور تقریباً ایک ہزار چھوٹی پروٹسٹنٹ تنظیمیں کام کر رہی ہیں۔

بدھ ازم اور ہندوازم سے تعلق رکھنے والی قومیتیں بھی موجود ہیں مذہبی لوگ مجموعی طور پر ۲۲۰۰ (دو ہزار دو سو) عبادت گاہوں کے مالک ہیں، مذہبی رسالے اور پرچے بتدریج روز افزوں ہیں آٹھ عالی، چھ سکنڈری، اور تین عام دینی ادارے ہیں، آٹھ میں سے دو عام ادارے (Higher) اسلامی ہیں، جن میں ایک نور مبارک مصری یونیورسٹی برائے اسلامی ثقافت ہے، دوسرا ادارہ، انسٹی ٹیوٹ برائے تربیت ائمہ مساجد ہے، ایک کیتھولک ادارہ ہے، ایک لوتھرن، اور چار پروٹسٹنٹ ہیں۔

اس کے علاوہ ہر مسجد، کلیسا، گرجا میں اتوار کے دن اسکول قرآن اور بائبل کی تعلیم کے، چلتے ہیں۔

مذہبی لوگوں کی تعداد ملک میں بڑھ رہی ہے، ۶۲٪ قزاق مذہبی ہیں، ۱۴-۱۷٪ تمام مذاہب سے تعلق رکھتے ہیں، بہت سے لوگ وہ ہیں جو مذاہب پر یقین رکھتے ہیں لیکن مذہبی پروگراموں میں شریک نہیں ہوتے۔

مذاہب کی عالمی کانفرنس میں، بین المذاہب تعلقات کے فروغ کے لئے حکومت کا اہم قدم یہ ہے، کہ حکومت بین المذاہب تعلقات کا مستقل فورم بنانا چاہتی ہے، قزاقستان میں بین المذاہب خیر سگالی کے تعلقات پوری دنیا کے امن و سلامتی کے لئے ایک بہترین مثال ہیں، مسلمان اور آرتھوڈکس چرچ کے لوگ کثیر مذہبی آبادی والے علاقوں میں بااثر ہیں۔

قریبی سالوں میں سماج کی زندگی میں اسلام کے اثرات نمایاں ہو گئے ہیں، ملک کی آزادی کے بعد مذہب کو فروغ حاصل ہوا ہے، ۷۰ سال میں پہلی مرتبہ حجاج کا قابل ذکر قافلہ ملک سے روانہ ہوا، غالباً ۵۰۰ کی تعداد میں ایک ملک کے حجاج مکہ مدنیہ کے لئے روانہ ہوئے۔

۱۹۹۰ء میں مذہبی ادارہ کا قیام عمل میں آیا، اس سے پہلے پورے وسطی ایشیا کا مذہبی ادارہ قزاقستان سے باہر تھا، اس کے بعد سے ہی پرانی مسجدوں کی آبادی اور نئی مساجد کی تعمیر کا سلسلہ شروع ہوا، اس وقت ملک میں ۶۶۹ مذہبی تنظیمیں ہیں ۵۳۷ مسجدیں ہیں۔

دینی ادارہ کی تحقیق کے مطابق ملک میں ۹۰ر لاکھ مسلمان ہیں جو ۴۰ قومیتوں سے تعلق رکھتے ہیں، دینی تعلیمی اداروں کا قیام ہو رہا ہے، طلباء باہر تعلیم کے لئے ترکی، مصر، تونس، اور دیگر مسلم ممالک جاتے ہیں، دینی لٹریچر بھی اچھے پیمانہ پر تیار کیا جا رہا ہے، قزاق زبان میں قرآن پاک کا ترجمہ ہو چکا ہے، دیگر ممالک سے دینی کتابیں بھی آ رہی ہیں، اور The Imam کے نام سے دینی ادارہ کا ایک پرچہ بھی نکلتا ہے۔ (جاری)

نام شرح: عنایت الصلحاء
نام کتاب: سفینۃ البلغاء
شارح: مولوی عنایت اللہ صاحب
قیمت: ۱۰۰/روپے، مجلد، عمدہ ٹائٹل۔

"سفینۃ البلغاء" فن بلاغت میں بزبان عربی ایک عمدہ کتاب ہے، جس میں جابجا متقدمین کے اشعار سے استدلال کیا گیا ہے، جس کی وجہ سے طلبہ کو اشعار کے سمجھنے میں دشواری پیش آتی تھی۔ عنایت اللہ صاحب نے بلاغت کی مستند کتابوں کے حوالہ سے اس کی شرح تیار کی تاکہ فن بلاغت سے تعلق رکھنے والے طلبہ اور اساتذہ اس سے کماحقہ مستفید ہو سکیں۔

ملنے کا پتہ:-

☆ نورانی کتب خانہ، چھاپی گجرات
☆ اصلاحی کتب خانہ، چھاپی گجرات

دارالعلوم کے ایک طالب علم حسیب (کرناٹک) متعلم درجہ خصوصی اول کی والدہ ماجدہ انتقال فرما گئیں۔ قارئین سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

آخری صفحہ

ضمیر کی عدالت

امین الدین شجاع الدین

عدالت کی شکلیں بھی مختلف ہیں مثلاً کسی گاؤں اور دیہات یا قبیلہ کے معاملات ہوں تو ان کے تصفیہ کے لئے ایک پنچایت ہوتی ہے اور پنچوں کے فیصلہ کو ماننے کے لئے متعلقہ افراد اخلاقی طور پر پابند ہوتے ہیں، اس کے علاوہ عام مہذب شہریوں کے فوجداری اور سول ہر قسم کے جھگڑوں کو چکانے کے لئے ایک نظام کورٹ اور عدالتوں کا ہے، ان سب کی ضرورت وافادیت ایک تسلیم شدہ حقیقت اور ان کی خدمات کا سب کو اعتراف!!

مگر دنیا کی اس زندگی میں ایک عدالت اور ہے اور وہ ہے انسان کے اپنے ضمیر کی عدالت!! ہمارے نزدیک بڑی سچی اور پکی اور کھری اور نکھری ہوئی عدالت یہی ہے، نہ یہاں لاگ لپیٹ کو راہ ملتی ہے، نہ کسی مصلحت کوشی کا گزر ہوتا ہے، اس عدالت میں نہ چرب زبانی سے سپید کو سیاہ بنایا جاسکتا ہے اور نہ سیاہ کو سپید، حیلوں بہانوں سے نہ تو جائز کو ناجائز ٹھہرایا جاسکتا ہے اور نہ ناجائز کو جائز —— ضمیر کی عدالت بڑی عجیب عدالت ہے —— یہاں مدعا علیہ ہی مدعی ہوتا ہے اور خود کو اپنے ضمیر کی عدالت میں پیش کرتا ہے ''خود ہی قاتل، خود ہی شاہد اور خود ہی منصف'' مگر لطف یہ کہ دعویٰ خود ہی کا دائر کیا ہوا!!

لیکن سوال یہ ہے کہ ایسی صورت کب پیدا ہوتی ہے کہ جب مدعا علیہ خود ہی مدعی بن جائے، خود کو ضمیر کی عدالت میں لا کھڑا کرے اور اپنے ہی خلاف گواہی بھی دے! ایسا جب ہی ہوتا ہے جب انسان کا ضمیر مرنہ گیا ہو بلکہ ضمیر زندہ بھی ہو اور روشن بھی۔

ایک چیز ہے اپنی غلطی کا احساس —— جب کہ دوسری چیز اس سے آگے کی چیز ہے اور وہ ہے اپنی غلطی کا اعتراف!! —— جہاں تک غلطی کے احساس کی بات ہے تو انسان بند کمرہ میں اور تنہائی میں بھی اسے محسوس کرسکتا ہے، عجب نہیں کہ ندامت سے اس کی آنکھیں چھلک بھی پڑیں لیکن اس کے برخلاف اعتراف ہے، جو علی الاعلان کیا جاتا ہے —— اس اعتراف کے لئے حوصلہ چاہئے، تاب چاہئے —— جب کسی انسان میں یہ حوصلہ پیدا ہوتا ہے تو پھر ایسے انسان کی سوچ یہ نہیں ہوتی کہ لوگ کیا کہیں گے بلکہ فکر یہ ہوتی ہے کہ میں اپنے ضمیر کے سامنے کیا جواب دوں گا —— ضمیر کے سامنے جوابدہی کا احساس پیدا ہوتا ہے جگ کے داتا اور مالک کے سامنے جوابدہی کے تصور سے —— جوابدہی کا یہی وہ تصور تھا کہ جب ایک ماں اپنے شیر خوار بچہ کو گود میں لئے دربار نبوت میں حاضر ہوئی تھی اور اس نے اپنے اوپر حد جاری کرنے کی بات کہی تھی —— آج بھی انسانی ضمیر مرا نہیں ہے اس کی تصدیق دنیا میں رونما ہونے والے واقعات سے ہوتی رہتی ہے، افغانستان وعراق پر حملہ سے قبل بھی اور اس کے بعد بھی امریکہ کی ظالمانہ روش اور رویہ کی جس طرح مذمت ہوئی اور ہو رہی ہے، وہ انسانی ضمیر کے زندہ ہونے کا ثبوت ہے —— انسانی ضمیر کی عدالت کا اسی نوعیت کا ایک اور فیصلہ ابھی چند دن پہلے دنیا نے ایک بار پھر سنا..... عربوں کی زبان سے نہیں، بلکہ اسرائیلی فوجیوں کی زبان سے کہ وہ بے گناہ فلسطینیوں پر ظلم نہیں کریں گے اور اس ظلم کا گناہ اپنے سر نہیں لیں گے! آخر ان باضمیر فوجیوں کو کہ جو شاعر کی زبان میں ''خود ہی قاتل، خود ہی شاہد'' تھے مگر ایسے نرالے منصف نکلے انہوں نے اپنے ضمیر کی عدالت کے فیصلہ پر لبیک کہا اور اس کی پرواہ نہ کی کہ قوم کیا کہے گی اور قانون ان کو کہاں لے جائے گا۔

اس نوعیت کی مثالیں ہمارے اپنے ملک میں بھی سامنے آتی رہی ہیں۔ بابری مسجد کی شہادت پر اُس وقت کے صدر جمہوریہ آنجہانی ڈاکٹر شنکر دیال شرما کا رندھی آواز اور پرنم آنکھوں کے ساتھ اظہار تاسف اکثر کو یاد ہوگا لیکن چند برسوں کے بعد چند ایک ایسے لوگوں کے نادم بلکہ تائب ہونے کی خبریں آئیں جنہوں نے مسجد کو شہید کردینے کو عین کارِ ثواب سمجھا تھا۔ اسی نوعیت کی ایک مثال دنیا بھر میں گجرات کے فسادات کی بھرپور مذمت کی بھی ہے —— انسانی ضمیر مردہ نہیں ہوا ہے البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ وہ سوگیا ہو، ضرورت ہے کہ سوئے ہوئے انسانی ضمیر کو جگایا جائے۔

یہ بات کیا مظلوم مسلمانوں کو حوصلہ نہیں دلاتی کہ اگر ظالم اپنی خو نہیں چھوڑ رہا ہے تو نہ چھوڑے، وہ اپنے انجام کو پہونچ کر رہے گا، البتہ ہم اپنی وضع کیوں بدلیں اور من حیث القوم اپنا تاثر کیوں خراب کریں اس لئے کہ ظلم کو ظلم کہنے والے موجود تو ہیں!! اور ضمیر کی عدالت اپنا کام کرتو رہی ہے!!

سچی بات یہ ہے کہ ہر انسان کے اپنے اندر ایک عدالت ہے اور وہ ہے ضمیر کی عدالت —— انسان کو چاہئے کہ دنیا کی عدالتوں میں جانے سے پہلے وہ اپنے مقدمہ کو اپنے ضمیر کی عدالت میں لے جائے پھر وہ دیکھے گا کہ وہ اپنی ہی عدالت میں اپنے مقدمہ کو اگرچہ ہار گیا ہے لیکن اس نے اپنی نفسانیت کو مغلوب کردیا ہے۔

●●●

دارالعلوم ندوۃ العلماء

تعارف ۔ خدمات ۔ ضروریات

دارالعلوم ندوۃ العلماء محتاج تعارف نہیں ہے۔ اس کے قیام کو بفضلہ تعالیٰ سو سال سے زائد ہوگئے ہیں، خدا کا شکر ہے کہ اس اثناء میں اس نے گرانقدر علمی ودینی خدمات انجام دی ہیں، عرصۂ دراز سے اس کو حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی توجہ اور سرپرستی حاصل تھی جن کے دور نظامت میں وہ ایک عظیم اسلامی مرکز بن گیا تھا، اب ان کے بعد حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی کی نظامت میں خدمت علم ودین میں مصروف ہے اور اسلامی تعلیمات کی نشر واشاعت اور دینی زندگی کے لئے اس کے طلبہ، اساتذہ اور کارکنان حسب توفیق کوشاں ہیں۔

اس وقت دارالعلوم ندوۃ العلماء میں ہندوستان کے مختلف علاقوں کے علاوہ ملیشیا، تھائی لینڈ، انڈونیشیا، ناگیر یا اور دوسرے ممالک کے طلباء بھی زیر تعلیم ہیں، مختلف ملکوں سے برابر داخلہ کی درخواستیں آتی رہتی ہیں۔ اللہ کے فضل سے عرب ممالک میں ندوۃ العلماء بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، اور وہاں کے طلبہ میں اس کی تعلیم وتربیت سے استفادہ کی خواہش روز افزوں ہے، ان اسباب کی بناپر داخلوں کی تعداد میں ہر سال غیر معمولی اضافہ ہو رہا ہے۔

قارئین اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ دارالعلوم ندوۃ العلماء اور دیگر دینی مدارس مسلمانوں کے مالی تعاون سے ہی چلتے ہیں، اور یہ ان کے لئے صدقۂ جاریہ اور ثواب آخرت کا ذریعہ ہے، دینی تعلیم کی جو اہمیت ہے وہ کسی سے مخفی نہیں، خاص طور پر ہندوستان جیسے ملک میں یہ ذمہ داری خود ملت کو انجام دینا ہوتی ہے، اس لئے بھی ان کے تعاون کی ضرورت بڑھی ہوئی ہے، ندوۃ العلماء اپنے مرکزی ادارہ دارالعلوم اور اس کی مقامی شاخوں کی پوری مالی ذمہ داری انجام دیتا ہے۔ ان سب میں ہزاروں طلبہ زیر تعلیم ہیں۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ملحقہ مدارس اس کے علاوہ ہیں جو ملک کے مختلف اطراف میں پھیلے ہوئے ہیں ان کی جزوی ذمہ داری بھی ندوۃ العلماء پر ہے، ندوۃ العلماء میں تعلیمی شعبے کے ساتھ کئی شعبۂ مکاتب اصلاح وتربیت اور دعوت وارشاد کے بھی ہیں۔ اس طرح ندوۃ العلماء پر ملّی اور دینی ذمہ داریوں کو انجام دینے کے مصارف کا بڑا بوجھ ہے جو دینی وملّی درد رکھنے والے مسلمانوں کے تعاون سے ہی اٹھایا جاتا ہے۔

لہٰذا اللہ کے نام پر خرچ کرنے والے بھائیوں سے جن کو اللہ تعالیٰ نے مال کی نعمت سے نوازا ہے، ہماری پرزور اپیل ہے کہ اس کام میں دل کھول کر حصہ لیں کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا اجر بے حد وبے حساب ہے جس کو قرآن مجید میں یوں ادا کیا گیا ہے۔ ﴿ مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ وَ اللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴾ ''جو لوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کے مال کی مثال اس دانے کی سی ہے جس سے سات بالیں اُگیں اور ہر ایک بال میں سَو سَو دانے ہوں اور خدا جس (کے مال) کو چاہتا ہے زیادہ کرتا ہے وہ بڑی کشائش والا ہے''۔

ہمیں امید ہے کہ اہل خیر حضرات اس میں دل کھول کر حصہ لیں گے۔

وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ

(مولانا) عبداللہ عباس ندوی
(معتمد تعلیم۔ ندوۃ العلماء)

(پروفیسر) وصی احمد صدیقی
(معتمد مال۔ ندوۃ العلماء)

(مولانا) محمد حمزہ حسنی ندوی
(ناظر عام۔ ندوۃ العلماء)

نوٹ: چیک، ڈرافٹ، منی آرڈر مندرجہ ذیل پتہ پر روانہ فرمائیں، مرسلہ رقم جس مد کی ہو اس کی صراحت ضروری ہے۔

چیک یا ڈرافٹ پر صرف یہ لکھیں:۔ NAZIM NADWATUL ULAMA

مراسلت کا پتہ:۔ ناظم ندوۃ العلماء، پوسٹ بکس نمبر 93، ندوہ لکھنو۔ 226007

Nazim, Nadwatul Ulama P.O.Box No.93-Lucknow-226007 (U.P.)